مجلس انصار اللہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی مجلہ

انصار الدین

جلد ۱۷ نمبر ۳

مئی و جون ۲۰۲۰ء　ہجرت احسان ۱۳۹۸ء ہجری شمسی　رمضان و شوال ۱۴۴۱ ہجری قمری

”اگر آپ نے ترقی کرنی ہے اور دنیا پر غالب آنا ہے تو

میری آپ کو یہی نصیحت ہے

اور میرا یہی پیغام ہے کہ آپ

خلافت سے وابستہ ہو جائیں۔

اس حبل اللہ کو مضبوطی سے تھامے رکھیں۔

ہماری ساری ترقیات کا دار و مدار

خلافت سے وابستگی میں ہی پنہاں ہے۔“

(حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز، 11 مئی 2003)



MAJLIS ANSARULLAH
UNITED KINGDOM



MASROOR
EYE INSTITUTE

Huzoor e Aqdas (May Allah be his helper) has graciously given us the responsibility to construct and operate the Masroor Eye Institute in Burkina Faso, West Africa. This will, inshaAllah, be a state-of-the-art teaching eye hospital which is being built at this time with planned completion and opening in 2020. The cost of this project will be over 1 million pounds. Once complete this 'sadqa jaria' will benefit the whole of West Africa, providing premium eye treatments to thousands of patients every year. If you donate £10,000 or more, you will inshaAllah be invited to the inauguration ceremony. Donations of £5,000 or more will inshaAllah be acknowledged in the hospital.

MASROOR EYE INSTITUTE

ANY DONATION WELCOME

mei2020.org

PROJECTS
Supported by Majlis Ansarullah United Kingdom

Millions of people, including children, are suffering with an eye disease called "Cataract". They are at the risk of blindness if not treated in time.

Please donate wholeheartedly on behalf of yourself, your loved ones and for relatives who have passed away to partake from ongoing blessings of this 'sadqa jaria'.

GIFT OF SIGHT

For as little as **£50** an operation, you can give the GIFT of SIGHT

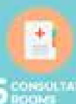
FUNDING FOR FACILITIES

Members can request to fund specific facilities within the Institute. Please contact us on 020 8874 6630 for further details.


2 OPERATING THEATRES


8 BED WARD


250 SEAT AUDITORIUM


6 CONSULTATION ROOMS


6 PRIVATE ROOMS

SCAN HERE TO DONATE NOW



Payable to:

CHARITY WALK FOR PEACE
NatWest Bank
Account# 35190698 | SC 60-20-09
Online: **donation.charitywalkforpeace.org**

MASROOR EYE INSTITUTE

EFFECTS OF POVERTY



There are many visually impaired people around the world, but in low income countries, this exacerbates the effects of poverty.

Typically, children with refractive error issues cannot study effectively and drop out of education. Also older people can start to suffer from conditions such as glaucoma and cataract. Whilst glaucoma is not reversible, these conditions can be treated and through regular check ups complete vision loss can be avoided, particularly if diagnosed earlier.



THE LAYING OF THE FOUNDATION BRICK





Dr Ch. Ijaz Ur Rehman, Sadr Majlis Ansarullah UK laid the foundation for Masroor Eye Institute in 2017 with a brick that was prayed upon by Huzoor-e-Aqdas (May Allah be his helper) and given for this purpose.



To participate please contact your local Zaeem OR donate via the website.





Masroor Eye Institute Burkina Faso
www.mei2020.org

﴿بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریمؐ   وعلیٰ عبدہ المسیح الموعودؑ﴾

انصارالدین

جلد 17   نمبر 3   مجلس انصاراللہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی مجلّہ   مئی و جون 2020ء

انصاراللہ کا عہد

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظام خلافت کی حفاظت کے لئے انشاءاللہ تعالیٰ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔ (انشاءاللہ)

فہرست مضامین

تمام انصار اپنا جائزہ لیں کہ کیا آپ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے تحت جماعت احمدیہ کی ترقیات اور احمدیوں کی حفاظت کے لئے روزانہ دو نفل ادا کر رہے ہیں اور ہفتہ وار نفلی روزہ کا اہتمام کر رہے ہیں؟

صدر مجلس: ڈاکٹر چوہدری اعجاز الرحمٰن

قائد اشاعت: نعیم گلزار

مدیر: محمود احمد ملک

نائبین: صفدر حسین عباسی، میر انجم پرویز

ڈیزائننگ: عامر ملک

"Ansaruddin" 33 Gressenhall Road, London, SW18 5QH, United Kingdom   e-mail address: ansaruddin@ansar.org.uk

درس القرآن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ۔ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ۔ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ (سورۃ القدر)

ترجمہ: اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بِن مانگے دینے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ یقیناً ہم نے اسے قدر کی رات میں اتارا ہے۔اور تجھے کیا سمجھائے کہ قدر کی رات کیا ہے۔قدر کی رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔بکثرت نازل ہوتے ہیں اُس میں فرشتے اورروح القدس اپنے ربّ کے حکم سے۔ہر معاملہ میں۔سلام ہے۔یہ (سلسلہ) طلوعِ فجر تک جاری رہتا ہے۔

دنیا بھر کے احمدی جن کو توفیق مل رہی ہے رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھیں گے، دعاؤں کی توفیق ملے گی۔اللہ تعالیٰ ان کو مقبول دعاؤں کی توفیق دے۔جو اعتکاف نہیں بیٹھ رہے وہ اپنے گھروں میں اپنی راتوں کو زندہ کرنے والے ہوں گے انشاءاللہ۔سورۃ القدر میں اللہ تعالیٰ نے اس آخری عشرہ میں دعاؤں کی طرف توجہ دلانے کے لئے ایک ایسی رات کا بھی ذکر کیا ہے جو اگر میسر آجائے تو بڑا ہی خوش قسمت ہے وہ شخص جس کو یہ رات مل گئی۔کیونکہ اس رات میں جو دعائیں بھی مانگی جائیں گی وہ قبولیت کا درجہ پائیں گی۔پھر اس کے اور بھی وسیع معانی اور مضامین ہیں۔اس میں قرآن کریم نازل ہوا، جو شریعت کی آخری اور مکمل کتاب ہے۔جس سے یہی مراد ہے کہ ایک لمبے تاریک زمانے کے بعد ایک ایسا نبی مبعوث ہوا جس پر اللہ تعالیٰ نے آخری شرعی کتاب نازل فرمائی اور دین کامل کیا۔اور اپنی تمام تر نعمتیں اس نبی کو جسے خاتم الانبیاء ٹھہرایا عطا فرمائیں۔اور یہ خوشخبری بھی اس کے ماننے والوں کو دے دی کہ قیامت تک اس نبی کی شریعت ہی ہدایت کا راستہ دکھانے کے لئے جاری رہے گی۔اس دنیا میں کوئی نبی خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی نئی شریعت لے کر مبعوث نہیں ہوگا۔ہاں زمانے کے اثر کے تحت جب دین میں بگاڑ پیدا ہوگا تو مجدد دین کا سلسلہ چلتا رہے گا جو خاتم النبیین کی شریعت کو، اس کی صحیح تعلیم کو مسلمانوں میں رائج کرتے رہیں گے۔اور پھر آپ ﷺ نے یہ پیشگوئی بھی فرمائی کہ ایک لمبے عرصہ کے بعد امام مہدی اور مسیح موعود علیہ السلام کا ظہور بھی ہوگا۔تو بہرحال اس سورت میں مختلف مضامین چھپے ہوئے ہیں۔

لیلۃ القدر کے متعلق کیسے معلوم ہو کہ کب آتی ہے، اور کس طرح پتہ چلے کہ یہ رات میسر آگئی ہے۔اس کے بارہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:'' کیا کوئی ایسی علامت ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ فلاں رات اس رمضان میں لیلۃ القدر تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض احادیث میں یہ آتا ہے کہ کچھ بجلی چمکتی ہے، ہوا ہوتی ہے اور ترشّح ہوتا ہے، ایک نور آسمان کی طرف جاتا یا آتا نظر آتا ہے۔مگر اوّل الذکر علامات ضروری نہیں۔گو اکثر ایسا تجربہ کیا گیا ہے کہ ایسا ہوتا ہے اور آخری علامت نُور دیکھنے کی صلحاء کے تجربہ میں آئی ہے۔یہ ایک کشفی نظارہ ہے، ظاہر علامت نہیں جسے ہر ایک شخص دیکھ سکے۔خود مَیں نے بھی اس کا تجربہ کیا ہے لیکن جو کچھ مَیں نے دیکھا ہے دوسروں نے نہیں دیکھا۔اصل طریقہ یہی ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ سے سارے رمضان میں دعائیں کرتا رہے اور اخلاص سے روزے رکھے، پھر اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی رنگ میں اس پر لیلۃ القدر کا اظہار کر دیتا ہے۔''(تفسیر کبیر جلد نہم صفحہ 329)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ماہ رمضان کے شروع سے آخر تک تمام نمازیں باجماعت ادا کیں تو اس نے لیلۃ القدر کا بہت بڑا حصہ پالیا۔گویا صرف آخری دنوں میں تلاش نہ کریں بلکہ سارے رمضان میں پوری عبادات بجالائیں۔

پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رمضان کا مہینہ شروع ہو گیا ہے جو ایک بابرکت مہینہ ہے۔خدا تعالیٰ نے اس کے روزے رکھنا تم پر فرض کئے ہیں۔اس میں جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دئے جاتے ہیں اور شیطان جکڑ دئے جاتے ہیں۔اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔جو اُس کی خیر سے محروم کیا گیا وہ محروم کر دیا گیا۔''(مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 425)

تو ایک بات تو یہ واضح ہوئی ان حدیثوں سے کہ یہی نہیں ہے کہ سارا رمضان تو نہ روزوں کی طرف توجہ دی، نہ قرآن پڑھنے کی طرف توجہ ہوئی، نہ نمازوں کے قیام کی طرف توجہ ہوئی، اور آخری عشرہ شروع ہوا تو ان سب عبادات کی طرف توجہ پیدا ہوگئی۔نہیں۔بلکہ رمضان کے شروع سے ہی ان عبادات کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔جو برائیاں پائی جاتی ہیں ان کو چھوڑنے کی طرف توجہ، بھائی بہنوں کے حقوق ادا کرنے کی طرف توجہ دیں، میاں بیوی ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی طرف توجہ دیں، ساس بہو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی طرف توجہ دیں۔تو شروع رمضان سے ہی حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی طرف توجہ ہو اور یہ نیکیاں بجالائیں گے تو تب ہی جہنم کے دروازے بند ہوں گے اور جنت کے دروازے کھلے ہوں گے۔

(حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کے خطبہ جمعہ فرمودہ 14 ر نومبر 2003ء کے ابتدائی حصہ کی تلخیص)

حدیث النبی ﷺ

آنحضرت ﷺ جب مریضوں کی عیادت فرماتے تو بعض اوقات بعض نسخے بھی تجویز فرمایا کرتے تھے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپؐ کو مریضوں کی کتنی فکر رہا کرتی تھی۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اس سیاہ دانے یعنی کلونجی میں ہر مرض سے نجات دینے کے لئے شفا رکھ دی گئی ہے سوائے موت کے۔(بخاری کتاب الطب)

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی کہ میرے بھائی کے پیٹ میں تکلیف ہے۔ اس پر آنحضور ﷺ نے اسے فرمایا کہ اس کو شہد پلاؤ۔ وہ شخص دوبارہ حاضر ہوا، تکلیف دُور نہ ہوئی تھی۔ فرمایا: اَور شہد پلاؤ۔ تکلیف نہیں دُور ہوئی۔ پھر وہ تیسری دفعہ آیا تو آپؐ نے کہا اسے اَور شہد پلاؤ۔ لیکن ہر دفعہ وہ یہی شکایت لے کر آتا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: صَدَقَ اللّٰہُ وَ کَذَبَ بَطْنُ اَخِیْکَ کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے لیکن تیرے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ بولا ہے۔ اسے شہد ہی پلاؤ۔(بخاری کتاب الطب)۔ بہرحال شہد پلاتے رہے اور آخر میں وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تندرست ہوگیا۔ (شہد بھی مختلف قسم کے ہیں اور مختلف بیماریوں کے لئے بعض مختلف قسم کے شہد ہوتے ہیں۔)

پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ انجیر کھایا کرو۔ پھلوں میں سے بڑا اچھا پھل ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ جنت سے ایک پھل نازل ہوا ہے تو میں یہ کہوں گا کہ انجیر جنت سے آنے والا ایسا پھل ہے جس میں گٹھلی نہیں ہے۔ پس اس کو کھاؤ کیونکہ یہ بواسیر کے مرض کو دور کرتا ہے اور نقرس (Gout) کے مرض میں بھی نفع بخشتا ہے۔(کنزالعمال کتاب الطب)۔ جن کو گاؤٹ کے مرض کی تکلیف ہوتی ہے اس کے لئے بھی اچھا ہے۔

پھر کشمش کے بارے میں آتا ہے کہ اس کا استعمال کرنا چاہئے کیونکہ یہ کڑواہٹ کو دُور کرتا ہے، بلغم کو دُور کرتا ہے، اعصاب کو مضبوط کرتا ہے، لاغر پن کو دُور کرتا ہے، اخلاق کو عمدہ کرتا ہے۔ دل کو فرحت بخشتا ہے اور غم کو دُور کرتا ہے۔(کنزالعمال کتاب الطب)

اس بارے میں بھی لوگوں نے تجربہ کیا ہے۔ بعضوں نے عرق گلاب میں ڈبو کر کشمش کھائی ہے اور جن کے دل کی نالیاں بند تھیں اور ڈاکٹر بائی پاس آپریشن تجویز کر رہے تھے وہ اللہ کے فضل سے کھل گئیں۔ اس تجربے کو کئی لوگوں نے مجھے بتایا ہے۔

پھر زیتون کے بارہ میں آتا ہے کہ اس کی مالش کیا کرو کیونکہ اس میں جذام سمیت ستّر امراض کے لئے شفا ہے۔ کھایا بھی کرو۔(کنزالعمال کتاب الطب)

حضرت عائشہؓ مریض کو اور غمزدہ افراد کو شہد اور آٹے سے تیار کردہ پتلی کھیر کھلانے کا کہا کرتی تھیں۔ آپؓ نے فرمایا کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مریض کے دل کو فرحت بخشتی ہے اور اس کا کچھ غم دُور کر دیتی ہے۔(بخاری کتاب الطب۔ باب التلبینۃ للمریض)

پھر کھجور کے بارے میں فرمایا کہ یہ بھی کھانی چاہئے۔ قولنج کو دور کرتی ہے۔

پھر فرمایا کہ گائے کا دودھ پینا چاہئے کیونکہ یہ دوا ہے اور اس کی چربی اور مکھن میں شفا ہے اور تمہیں اس کا گوشت کھانے سے اجتناب کرنا چاہئے کہ اس کے گوشت میں ایک قسم کی بیماری ہے۔(کنزالعمال کتاب الطب)

یہ بات اب ثابت شدہ ہے کہ گائے کا گوشت زیادہ کھانے والوں میں بعض قسم کی بیماریاں آجاتی ہیں۔ مثلاً جن مریضوں کو یورک ایسڈ ہو، گاؤٹ کی تکلیف ہو ان کو ڈاکٹر منع کرتے ہیں کہ گائے کا گوشت کھائیں۔ پھر بعض اَور بیماریاں ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے، کسی خاص مریض کو کسی خاص بیماری کی وجہ سے نصیحت فرمائی ہو، شاید وہاں گائے کے گوشت کا زیادہ استعمال ہوتا ہو۔ پھر بلڈ پریشر کے مریضوں کو بھی اور دل کے مریضوں کو بھی ڈاکٹر گائے کا گوشت کھانے سے منع کرتے ہیں۔ تو دیکھیں آج سے چودہ سو سال پہلے آپ نے یہ ساری باتیں بتا دیں جو آج کل کی ریسرچ میں پتہ لگ رہی ہیں۔

تو بے انتہا نسخے ہیں۔ یہ سب کچھ صرف اس وجہ سے تھا کہ مخلوق سے آپؐ کو بے انتہا محبت، پیار اور ہمدردی تھی۔ آپؐ کا دل اس ہمدردی سے بھرا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے آپؐ ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ کس طرح مَیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو فائدہ پہنچاؤں۔

اللہ تعالیٰ کے ہزاروں ہزار درود و سلام ہوں اس نبی پاک ﷺ پر۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس اُسوہ پر چلنے کی اور ان نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس سے ہم بھی اس کی مخلوق کی خدمت کی توفیق پاسکیں۔

(حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کے خطبہ جمعہ فرمودہ 15/اپریل 2005ء کے ایک حصّہ کی تلخیص)

امام الکلام ۔ کلام الامام علیہ الصلوٰۃ والسلام

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دنیا کی خاطر بڑے بڑے مصائب کا مقابلہ کرتے ہیں مگر دین میں نہایت بودے پائے جاتے ہیں۔ایک ذرا سے ابتلا پر جھوٹ جیسی نجاست کو کھانے سے بھی دریغ نہیں کرتے اور اپنی نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے کن کن حیلوں سے کام لیتے ہیں کہ گویا خدا ہی نہیں۔

انسان جتنی ٹکّریں اپنی بیوی کو خوش کرنے اور اس کی ضروریات اور خواہشات کو پورا کرنے کے لئے مارتا ہے اگر خدا کی راہ میں اتنی کوشش کرے تو کیا وہ خوش نہ ہوگا؟ ہوگا اور ضرور ہوگا۔مگر کوئی کوشش کر کے بھی دیکھے۔اگر ایک کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تو محض ایک بچہ کی خاطر وہ کیسی کیسی سختیاں جھیلتا ہے اور کس طرح کے وسائل اور تدابیر سے اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کہاں کا کہاں خوار ہوتا پھرتا ہے گویا خدا اس کے نزدیک ہے ہی نہیں۔

غرض یاد رکھنا چاہئے کہ انسان جب اپنی زندگی کی اصل غرض سے غافل ہوجاتا ہے تو پھر وہ اس قسم کے دھندوں اور بکھیڑوں میں سرگردان اور مارا مارا پھرتا ہے۔انسان کو چاہئے کہ جتنی جلدی اُس سے ہوسکے خدا سے اپنا تعلق قائم کرے۔جب تک اس کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا تب تک کچھ بھی نہیں۔ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر انسان آہستہ آہستہ خدا کی طرف جاتا ہے تو خدا جلدی سے اس کی طرف آتا ہے اور اگر انسان جلدی سے اس کی راہ میں ترقی کرتا ہے تو خدا دوڑ کر اس کی طرف آتا ہے۔لیکن اگر بندہ خدا سے لاپروا بن جائے اور غفلت اور سُستی سے کام لے پھر اس کا نتیجہ بھی ویسا ہی ہوتا ہے۔

ایک دفعہ سورۂ کہف جس میں ذوالقرنین کا بھی ذکر ہے،مَیں دیکھ رہا تھا تو جب مَیں نے اس قصّہ کو غور سے پڑھا تو مجھے معلوم ہوا کہ اس میں بعینہٖ اسی زمانہ کا حال درج ہے۔جیسے لکھا ہے کہ جب اس نے سفر کیا تو ایسی جگہ پہنچا جہاں کہ اُسے معلوم ہوا کہ سورج کیچڑ میں ڈوب گیا ہے اور یہ اس کا مغربی سفر تھا۔اور اس کے بعد پھر وہ ایسے لوگوں کے پاس پہنچتا ہے جو دھوپ میں ہیں اور جن پر کوئی سایہ نہیں۔پھر ایک تیسری قوم اُسے ملتی ہے جو یاجوج ماجوج کے حالات بیان کر کے اس سے حمایت طلب کرتی ہے۔اب مثالی طور پر تو خدا تعالیٰ نے یہی بیان کیا ہے لیکن ذوالقرنین تو اس کو بھی کہتے ہیں جس نے دو صدیاں پائی ہوں اور ہم نے دو صدیوں کو اس قدر پالیا ہے کہ اعتراض کا موقعہ ہی نہیں رہتا۔مَیں نے ہر صدی پر دو صدیوں سے حصہ لیا ہے۔تم حساب کر کے دیکھ لو۔اور یہ جو قرآن میں قصص پائے جاتے ہیں تو یہ صرف قصّہ کہانیاں نہیں بلکہ یہ عظیم الشان پیشگوئیاں ہیں۔جو شخص ان کو صرف قصّے کہانیاں سمجھتا ہے وہ مسلمان نہیں۔غرض اس حساب سے تو مجھے بھی ذوالقرنین ماننا پڑے گا اور ائمہ دین میں سے بھی ایک نے ذوالقرنین سے مسیح مراد لیا ہے۔اب خدا تعالیٰ نے اس قصّہ میں مغربی اور مشرقی دو قوموں کا ذکر کیا ہے۔مغربی قوم سے مراد تو وہ لوگ ہیں جن کو انجیل اور دیگر صحیفہ جات کا صاف شفاف پانی دیا گیا تھا مگر وہ روشن تعلیم انہوں نے ضائع کر دی اور اپنے پاس کیچڑ اور گند باقی رہنے دیا۔اور مشرقی قوم سے وہ مسلمان لوگ مراد ہیں جو امام کے سایہ کے نیچے نہیں آئے اور دھوپ کی شعاعوں سے جھلسے جا رہے ہیں۔لیکن ہماری جماعت بہت خوش نصیب ہے اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے اپنے فضل سے ہدایت عطا فرمائی لیکن یہ ابھی ابتدائی حالت ہے۔'' (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 405-407 جدید ایڈیشن)

فرمودات

حضرت خلیفۃالمسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے 10/اپریل 2020ء کے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا:

''آج کل کرونا کی وبا کی وجہ سے جو دنیا کے حالات ہیں اس نے اپنوں کو بھی، غیروں کو بھی سب کو پریشان کیا ہوا ہے۔......حقیقت یہی ہے کہ کچھ پتا نہیں لگ رہا کہ دنیا کو کیا ہو رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بھی انہی حالات کے متعلق، آج کل کے زمانے کے حالات کے مطابق فرماتا ہے کہ وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا (الزلزال:4) اور انسان کہہ اٹھے گا کہ اسے ہو کیا گیا ہے؟ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فروری 1920ء میں آج سے تقریباً سو سال پہلے وباؤں، قحط، ابتلا اور طوفانوں کا ذکر کرتے ہوئے اس آیت کی مختصر وضاحت فرمائی تھی کہ پہلے ایک آدھ ہی وبا یا ابتلا آتے تھے لیکن اب یہ زمانہ ایسا ہے کہ اس میں ابتلاؤں کے دروازے کھل گئے ہیں۔ (ماخوذ از خطبات محمود جلد 6 صفحہ 387)

مَیں بھی گذشتہ کئی سالوں سے یہ کہہ رہا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد اور جب سے کہ آپؑ نے دنیا کو خاص طور پر آفات اور آسمانی بلاؤں سے آگاہ کیا ہے، ہوشیار کیا ہے دنیا میں طوفانوں، زلزلوں، وباؤں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے اور عمومی طور پر یہ وبائیں اور آفات انسان کو ہوشیار کرنے کے لئے آ رہی ہیں کہ تم اپنے پیدا کرنے والے کے بھی حق ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے بھی حق ادا کرو، اس کے بندوں کے بھی حق ادا کرو۔ پس ان حالات میں ہم نے خود بھی اللہ تعالیٰ کی طرف پہلے سے زیادہ جھکنا ہے اور دنیا کو بھی ہوشیار کرنا ہے۔ بعض بیماریاں یا طوفان اور وبائیں ایسی ہیں کہ جب دنیا میں آئیں تو قدرتی طور پر اس کا اثر ہر ایک پر پڑتا ہے۔......لیکن مومن ان مشکلات سے اللہ تعالیٰ کے حضور جھکتے ہوئے، اس کا شکر گزار بندہ بنتے ہوئے گزر جاتا ہے۔ پس جیسا کہ مَیں نے کہا کہ ہمیں ان دنوں میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور بہت جھکنا چاہیے اور اس کا رحم اور فضل مانگنا چاہیے۔ اس لیے پہلے سے بڑھ کر ہر احمدی کو اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ بعض لوگ بعض تبصرے کر دیتے ہیں کہ یہ وبا نشان کے طور پر ہے اور احتیاط کی یا بعض علاج کی کوئی ضرورت نہیں یا اس قسم کے اَور ایسے تبصرے جو دوسروں کے جذبات کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ ہمیں نہیں پتا کہ یہ نشان ہے، خاص طور پر کوئی نشان ہے یا نہیں لیکن عمومی طور پر بہر حال ہم کہتے ہیں جیسا کہ مَیں نے ابھی بھی کہا اور چند خطبے پہلے بھی میں نے اس بیماری کے ذکر میں شروع میں ہی کہا تھا کہ زمینی اور آسمانی بلائیں اور آفات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کے بعد بہت بڑھ گئی ہیں۔ پس عمومی طور پر تو بیشک کہا جا سکتا ہے لیکن اس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کے طاعون کے ساتھ ملانا اور پھر اس قسم کی باتیں کرنا کہ نعوذ باللہ جو احمدی اس بیماری میں مبتلا ہیں یا اس سے وفات پا گئے ہیں ان کا ایمان کمزور ہے یا تھا۔ یہ کہنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ طاعون حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ایک نشان کے طور پر ظاہر ہوا گو کہ آنحضرت ﷺ نے اس بیماری سے فوت ہونے والے کو شہید قرار دیا ہے۔ (صحیح البخاری کتاب الطب باب ما یذکر فی الطاعون حدیث 5733) لیکن بہر حال یہ کیونکہ ایک طاعون کی بیماری کے نشان کے طور پر ظاہر ہوا تھا اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو خاص طور پر فرمایا تھا، اس بارے میں آپؑ نے اعلان بھی فرمایا تھا کہ یہ نشان ہے اور اس بارے میں جماعت کو ہدایات بھی فرمائی تھیں اس لیے اُس طاعون کی جو آپؑ کے زمانے میں آیا ایک علیحدہ حیثیت تھی لیکن ساتھ ہی اُس وقت بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقعہ پر جماعت کو یہ فرمایا بلکہ مفتی صاحبؓ کو کہا کہ اخبار میں اس کا اعلان کر دیں کہ مَیں اپنی جماعت کے لیے بہت دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کو بچائے رکھے۔ مگر آپؑ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم سے یہ ثابت ہے کہ جب قہر الٰہی نازل ہوتا ہے تو پھر بدوں کے ساتھ نیک بھی لپیٹے جاتے ہیں اور پھر ان کا حشر اپنے اپنے اعمال کے مطابق ہوگا۔ پھر صرف یہ نہیں کہ ان کو، نیکوں کو کوئی اثر نہ ہوگا ہاں نیکوں پر بھی اثر ہوا جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا۔ حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا کہ یہ قانونِ قدرت ہے۔ اثر تو ہوتا ہے۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں دیکھو حضرت نوحؑ کا طوفان سب پر پڑا اور ظاہر ہے کہ ہر ایک مرد، عورت اور بچے کو اس سے پوری طرح خبر نہ تھی کہ نوحؑ کا دعویٰ اور اس کے دلائل کیا ہیں لیکن طوفان کی زد میں آ گیا۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ جہاد میں جو فتوحات ہوئیں وہ سب اسلام کی صداقت کے واسطے نشان تھیں۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ صحابہ جہاد میں شامل ہوئے۔ جہاد میں فتوحات ہوئیں۔ اس کے بعد خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی جہاد ہوئے۔ ان میں بعض جگہ شکستیں بھی ہوئیں لیکن عمومی طور پر فتوحات ہوئیں۔ آپؑ فرماتے ہیں یہ سب اسلام کی صداقت کے واسطے ایک نشان تھیں۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ لیکن ہر ایک میں کفار کے ساتھ مسلمان بھی مارے گئے۔ یہ نہیں ہوا کہ صرف کافر مارے گئے۔ گو جہاد نشان کے طور پر تھا لیکن اس میں مسلمان بھی مارے گئے اور فرمایا کہ مسلمان جو مارا گیا وہ مسلمان شہید کہلایا۔ آپؑ فرماتے ہیں ایسا ہی طاعون ہماری صداقت کے واسطے ایک نشان ہے اور ممکن ہے کہ اس میں ہماری جماعت کے بعض آدمی بھی شہید ہوں۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ سب سے اوّل حقوق اللہ کو ادا کرو۔ اپنے نفس کو جذبات سے پاک رکھو۔ اس کے بعد حقوق العباد کو ادا کرو۔ فرمایا

خدا تعالیٰ پر سچا ایمان لاؤ اور تضرع کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حضور میں دعا کرتے رہو اور کوئی دن ایسا نہ ہو جس دن تم نے خدا تعالیٰ کے حضور رو کر دعا نہ کی ہو۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اسبابِ ظاہری کی رعایت رکھو یعنی جو ظاہری احتیاطیں ہیں وہ تمام بجالاؤ، وہ پوری کرو۔ پھر فرمایا جو تم میں سے بتقدیرِ الٰہی طاعون میں مبتلا ہو جاوے اس کے ساتھ اور اس کے لواحقین کے ساتھ پوری ہمدردی کرو۔ اور ہر طرح سے ان کی مدد کرو اور اس کے علاج معالجہ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھو۔ ہر قسم کی کوشش کرو۔ فرمایا لیکن یاد رہے کہ ہمدردی کے یہ معنے نہیں کہ اس کے زہریلے سانس یا کپڑوں سے متاثر ہو جاؤ۔ (ماخوذ از ملفوظات جلد 9 صفحہ 251 تا 253)

ہمدردی بیشک کرو لیکن احتیاطی تدابیر بھی ضروری ہیں۔ ان سے بچنا بھی ضروری ہے۔ بلکہ اس اثر سے بچو۔ پس اس بات سے ہمیں یہ سبق لینا چاہیے کہ جو بھی مدد کرنے والے ہیں ان کو جو یہ ضروری احتیاطیں ہیں مثلاً آج کل یہ کہا جاتا ہے ماسک پہنو اور دوسری احتیاطیں ہیں ان کو سامنے رکھنا چاہیے۔ اسی طرح سے بلاوجہ لوگوں کے گھروں میں آنے جانے سے بھی بچنا چاہیے۔ حکومت نے بھی منع کیا ہے۔ اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ آج کل یہاں یوکے میں باوجود حکومت کے کہنے کے اور منع کرنے کے لوگ پارکوں میں جا کر اکٹھے ملنا جلنا رکھتے ہیں۔ اجازت تو صرف اس حد تک ہے کہ تم واک (walk) کر سکتے ہو۔ تھوڑی سی کھلی ہوا میں جا سکتے ہو۔ یہ نہیں ہے کہ پارکوں میں بیٹھ کر پکنکیں منانی شروع کر دو۔ ...... جن کے سپرد مدد کے کام ہیں، خدام الاحمدیہ نے بھی بہت سارے والنٹیئر پیش کیے ہیں اور بھی مدد کر رہے ہیں وہ تمام احتیاطوں اور دعاؤں کے ساتھ اس مدد کے فریضے کو سرانجام دیں اور بے احتیاطیوں سے بچیں۔ بلاوجہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ یہ جہالت ہے۔ یہ کوئی بہادری نہیں ہے، یہ جہالت کہلاتی ہے۔ پس بہت احتیاط کریں۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ جو خدانخواستہ اس بیماری سے مرجائے وہ شہید ہے۔ اُس وقت جو طاعون تھی اس کے واسطے غسل کی ضرورت نہیں اور نیا کفن پہنانے کی ضرورت نہیں۔ اس سے پھر شہید والا سلوک کیا جاتا ہے۔ یہاں تو حکومت نے کچھ حد تک اجازت دی ہوئی ہے۔ غسل بھی کر سکتے ہیں اور کفن بھی پہنا دیتے ہیں۔ اس زمانے میں جو یہ شدید حالات تھے اس وقت آپؑ نے یہ فرمایا تھا کہ ضرورت نہیں۔ پھر تاکیداً آپؑ نے یہ بھی فرمایا کہ گھروں کی صفائی بہت زیادہ کرو اس کے متعلق خاص طور پر ہدایت فرمائی۔ اور گھروں کی صفائی کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اپنے کپڑوں کی صفائی رکھو۔ اپنے کپڑے بھی صاف رکھو اور نالیاں بھی صاف کراتے رہو۔ یہاں تو سارا سیوریج سسٹم (sewerage system) اَنڈر گراؤنڈ (underground) ہوتا ہے۔ غیر ترقی یافتہ ممالک میں جہاں نالیاں کھلی ہوتی ہیں یہ خاص طور پر بہت ضروری چیز ہے کہ نالیاں صاف رکھی جائیں۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس بات کو خاص طور پر فرمایا کہ سب سے مقدم یہ ہے کہ اپنے دلوں کو بھی صاف کرو اور خدا تعالیٰ کے ساتھ پوری صلح کر لو۔ (ماخوذ از ملفوظات جلد 9 صفحہ 253)

پس ہمیں ان حالات میں بھی جو آجکل اس وبا کی وجہ سے ہیں اور ہر ایک اس سے متاثر ہے جیسا کہ میں نے کہا لکھنے والے لکھتے بھی ہیں ان باتوں کی طرف خاص توجہ رکھنی چاہیے۔ ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارے لیے دعاؤں کا راستہ کھلا ہے۔ ہمیں اس یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے دعاؤں کا راستہ کھولا ہے اور خدا تعالیٰ دعائیں سنتا ہے۔ اگر خالص ہو کر اس کے آگے جھکا جائے تو وہ قبول کرتا ہے، کس رنگ میں قبول کرتا ہے یہ وہ بہتر جانتا ہے۔ عمومی طور پر اپنے لیے، اپنے پیاروں کے لیے، اپنے عزیزوں کے لیے، جماعت کے لیے اور عمومی طور پر انسانیت کے لیے دعائیں کرنی چاہئیں۔ دنیا میں بہت سے ایسے لوگ ہیں اور ان میں احمدی بھی ہوں گے جن کے پاس احتیاط کے سامان میسر نہیں، جن کو علاج کی سہولتیں نہیں ہیں، کھانے پینے کی سہولتیں نہیں ہیں اللہ تعالیٰ ان پر بھی اور ہم سب پر بھی رحم فرمائے۔ ...... ہم تو یہاں تک کوشش کرتے ہیں کہ غیروں تک بھی یہ سب سہولتیں علاج کی سہولت یا خوراک وغیرہ کی سہولت جہاں ضرورت ہے پہنچے اور بے غرض ہو کر یہ خدمت خالصۃً ہمدردی کے جذبے سے ہم کرتے ہیں لیکن پھر بھی بعض متعصب میڈیا کے ذرائع یا نام نہاد علماء یہ الزام لگا دیتے ہیں کہ احمدی جو یہ خدمت کر رہے ہیں یا خوراک پہنچا رہے ہیں یا میڈیکل ایڈ دے رہے ہیں یہ اپنی تبلیغ کے لیے مدد کرتے ہیں تا کہ ان کی تبلیغ کے رستے کھلیں۔ بہرحال ہمیں ان الزاموں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اللہ تعالیٰ ہماری نیتوں اور ہمارے جذبے کو جانتا ہے۔ پھر مَیں کہوں گا کہ آج کل دعاؤں، دعاؤں اور دعاؤں پر بہت زور دیں۔ اللہ تعالیٰ جماعت کو ہر لحاظ سے جماعت کے ہر فرد کو ہر لحاظ سے اور مجموعی طور پر جماعت کو بھی ہر لحاظ سے اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی دعائیں کرنے اور دعاؤں کی قبولیت سے فیضیاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ بات بھی مَیں بعض احمدی کاروباری لوگوں کے لیے کہنا چاہتا ہوں کہ جو احمدی کسی کاروبار میں ہیں وہ اِن دنوں میں اپنی چیزوں پر غیر ضروری منافع بنانے کی کوشش نہ کریں اور غیر ضروری منافع بنانے کی بجائے اور خاص طور پر کھانے پینے کی چیزوں میں اور ضروری لازمی اشیاء میں غیر ضروری منافع بنانے کی بجائے یہ ان چیزوں کو کم از کم منافعے پر بیچیں اور یہی انسانیت کی خدمت کے دن ہیں جس کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی تلقین فرمائی ہے کہ ہمدردی کا جذبہ پیدا کرو۔ حقوق العباد کی ادائیگی کے یہی دن ہیں اور اس ذریعہ سے یہ خدا تعالیٰ کا قرب پانے کے بھی دن ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو جو بھی کاروباری لوگ ہیں اس کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ ان حالات میں بجائے غیر ضروری منافعوں کے ایک ہمدردی کے جذبے کے تحت اپنے کاروباروں کو بھی چلائیں۔ ''

اداریہ

ہمارا نصب العین اور فرضِ اوّلین

ہم سب پر فرض ہے کہ پیارے آقا سیّدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے تمام ارشادات کے ساتھ اس ارشاد کو بھی ہمیشہ پیش نظر رکھیں جو حضور انور نے خلافت احمدیہ کی حفاظت کے حوالے سے خدام الاحمدیہ کے قائدین فورم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **''مجلس خدام الاحمدیہ کی ایک بڑی ذمہ داری خلافتِ احمدیہ کی حفاظت ہے۔اور خلافتِ احمدیہ کی حفاظت آپ خلیفہ وقت کی باتوں کو سننے اور اُن پر عمل کرنے سے کرسکتے ہیں اور جماعت کی حفاظت بھی اسی صورت میں ہوسکتی ہے۔''** (الفضل انٹرنیشنل 24/دسمبر 2019ء)

قرآن کریم سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''خلافت'' ایک نعمت عظمیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا مشروط انعام ہے جو مومنین کی جماعت کو اعمال صالحہ کے نتیجے میں عطا ہوتا ہے۔اور پھر اس انعام کے نتیجے میں مومنین کی جماعت پر چھائے ہوئے خوف کے اندھیروں کو زائل کرتے ہوئے پیغامِ امن دیا جاتا ہے،مومنین کو اعمالِ صالحہ کی سند دی جاتی ہے،استحکام اسلام اور تمکنتِ دین کا وعدہ دیا جاتا ہے اور جماعت مومنین کے اتفاق واتحاد کی ضمانت دی جاتی ہے۔

پس جس طرح ہر قیمتی اور بیش قیمت شے کی حفاظت کی جانی چاہئے اسی طرح خلافت جیسی بے مثال اور انمول نعمت کی حفاظت کرنا مومنین کی جماعت کا بنیادی فرض قرار پاتا ہے بلکہ خلافت کے مقام و مرتبہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے بلا شبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اِس نعمت عظمیٰ کی حفاظت کی خاطر ہر مومن کو اپنی جان، مال، وقت اور عزت کو قربان کرنے کے لئے ہر دم تیار رہنا چاہئے اور نہ صرف زندگی بھر اس فرض کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے بلکہ ہر زاویے سے یہ کوشش بھی کرنی چاہئے کہ اپنی نسلوں میں بھی اِس عظیم الشان انعامِ خداوندی کی قدر و منزلت قائم رکھنے کے لئے اُنہیں اس راہ میں قربانی کے اعلیٰ معیار پیش کرنے کی سعادت سے آگاہ کیا جائے۔تاکہ یہ نعمت عظمیٰ خدائی وعدے کے مطابق قیامت تک قائم رہے اور ہماری نسلیں بھی اس کے فیوض و برکات کی وارث قرار پاکر اور اِس کے دامن سے وابستہ رہ کر اپنی روحانی آسودگی کے سامان کرسکیں۔

پس نظام خلافت کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے ایمان میں اضافہ کے لئے خلیفہ وقت کی بے مثال اطاعت کا عملی نمونہ پیش کرتے ہوئے مسلسل کوشاں رہیں۔تاریخ اسلام میں جنگ جمل کا واقعہ انتہائی تکلیف دہ واقعات میں سے ہے۔تاریخ کے اُس موڑ پر ہمیں نظر آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعض انتہائی مخلص اور فدائی صحابہ کرام جو کلام اللہ کا بھرپور ادراک رکھنے،رسول اللہ ﷺ کے پاکیزہ کلمات سے فیضیاب ہونے،خلافتِ حقّہ کی اہمیت سے آشنا ہونے اور امامِ وقت کی اطاعت کا شعور رکھنے کے باوجود بھی منافقین کی سازشوں کا شکار ہوگئے یا اجتہادی غلطی کے مرتکب ہوکر خلیفۃ الرسول سیّدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اطاعت کو دیگر واقعات وحالات کے ساتھ مشروط کر بیٹھے تو پھر اسلامی تاریخ کا وہ اندوہناک واقعہ رونما ہوا جس نے اسلام کی روز افزوں طاقت و سطوت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا اور اس کے اثرات سے اُمّتِ مسلمہ آج بھی آزاد نہیں ہوسکی۔پس خلافتِ حقّہ کی مضبوطی کے لئے خلیفۂ وقت کی غیر مشروط اطاعت مومنین کا انفرادی اور اجتماعی فرضِ اوّلین ہے۔

پھر خلافت کی حفاظت کے ضمن میں خلیفہ وقت کی جسمانی حفاظت بھی شامل ہے۔ہم خوش نصیب ہیں کہ مرکزِ خلافت آج برطانیہ کی سرزمین پر ضوفشاں ہے۔پس ہم غلامانِ خلافت کو،جنہیں حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی جسمانی قربت کی سعادت حاصل ہے،کبھی بھی اپنے اس فرض سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

پس خلافتِ احمدیہ کے ہر جاں نثار کو ہمہ وقت یہ پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ خلافت حقّہ احمدیہ کا قیام،حضرت خلیفۃ المسیح کی دل وجان سے حفاظت اور خلیفۂ وقت کی نصائح پر لبیک کہتے ہوئے غیر مشروط اطاعت ہی ہماری زندگیوں کا نصب العین ہے تاکہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے عطا ہونے والی ''خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ'' قیامت تک ہمارے لئے امن، کامیابی،سلامتی اور ترقیات کی نوید بنی رہے۔سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کا ارشاد بحیثیت جماعت ہمیشہ ہمارے سامنے رہے۔فرمایا: **''تم خوب یاد رکھو کہ تمہاری ترقیات خلافت سے وابستہ ہیں اور جس دن تم نے اس کو نہ سمجھا اور اسے قائم نہ رکھا وہی دن تمہاری ہلاکت اور تباہی کا دن ہوگا،لیکن اگر تم اسے سمجھے رہو گے اور اسے قائم رکھو گے تو پھر اگر ساری دنیا مل کر بھی تمہیں ہلاک کرنا چاہے گی تو نہیں کرسکے گی اور تمہارے مقابلہ میں بالکل ناکام و نامراد رہے گی۔''** (درس القرآن)

(محمود احمد ملک)

"مسلمانوں کالیڈر"

(رحیق المختوم)

12/اکتوبر1905ء کی دوپہر تھی اورلوگ ایک شخص کی تدفین کی غرض سے قادیان میں جمع تھے۔اس ہستی کا انتقال ایک روز قبل ہوا تھا۔امام الزماں حضرت مہدی مسعودمرزاغلام احمدقادیانی علیہ السلام نے آپؓ کی نمازِجنازہ پڑھائی۔

بہت کم لوگ ایسے پاک ہوتے جن کوامام وقت کا قرب عطا ہوتا ہے بلکہ وہ امام وقت کی نبض بن جاتے ہیں جوامام وقت کی جنبشِ ابرو سے چلتی ہے۔ایک ایسے ہی نابغۂ روزگاروجودکاذکرمقصود ہےجس کی نسبت امام الزماںؑ کوبہت الہامات ہوئے۔اور یہ ہستی امام مہدی کی محبت اورعشق میں ایسی سرشارتھی کہ جس نے امیر حبیب اللہ خان والی افغانستان کی دعوت اوراس کی طرف سے ملنے والی دنیاوی دولت پرروحانی دولت اورقربتِ مہدیؑ کوفوقیت دی اورپھرحضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی ایسی خدمت کی اورایسا روحانی مقام حاصل کیا کہ آپ کا شمار اکابر رفقاء میں ہوتا ہےاوررہتی دُنیا تک آپ کا ذکرِخیرہوتا رہے گا۔

1858ء میں شہرسیالکوٹ میں پیداہونے والابچہ جس کانام والدین نے کریم بخش رکھا جسے بعد میں حضرت اقدس علیہ السلام نے بدل کرعبدالکریم کردیا۔والدکا نام محمدسلطان اوروالدہ کاحشمت بی بی تھا۔1860ءکےعشرہ میں آپ نے امریکن مشن سکول میں داخلہ لیالیکن بعد میں ریاضی میں کمزورہونے کی وجہ سے یہ سکول چھوڑدیا اورپرائیویٹ عربی اورفارسی پڑھنا شروع کردی۔پھرایک وقت آیا کہ پورے سیالکوٹ میں کوئی استادمزیدتعلیم دینے والانہ بچاتوگوجرانوالہ آگئے اورایک مشہورعالم اورطبیب مولوی محبوب عالم سے پڑھنا شروع کردیا۔پھرکچھ عرصہ بعد اپنے پرانے سکول امریکن مشن سکول میں فارسی کے اُستادلگ گئے۔حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی ذات کے متعلق تفصیل سے لکھنامقصودنہیں بس برکت کی خاطرآپؓ کے چندایسے واقعات کاذکرکرنا ہے جوحضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی قربت میں رونماہوئے۔

آپؓ کا تعارف حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحبؓ سے 1880ء کے لگ بھگ ہوا۔23مارچ1889ءکوآپ سیدنا نورالدینؓ کے ساتھ ہی لدھیانہ تشریف لے گئےاورپھرآپؓ کے کہنے پرہی بیعت کی توفیق حاصل کی۔

آپؓ نے زندگی کے آخری تیرہ سال امام الزمان کی صحبت میں قادیان میں گزارے۔آپؓ نے حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے ایماپرہزاروں خط احمدیوں اورغیراحمدیوں کولکھے۔ایک طرزپرآپؓ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔مخالفین جہاں بیرنگ خطوط میں میرے مرزا صاحب علیہ السلام کو گالیاں دیتے وہیں مولوی عبدالکریم سیالکوٹی صاحبؓ کوبھی گالیاں لکھتے۔ایک موقع پرسیدناوامامناحضورعلیہ السلام نے فرمایا:"اب توآپ بھی ہمارے ساتھ گالیوں میں شامل ہوگئے،بڑاثواب ہے۔" آپؓ کوبےشمارمرتبہ اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق عطا فرمائی کہ آپؓ کی اقتداءمیں حضرت اقدسؑ نے نمازاداکی۔آپؓ نمازمیں الحمد سے پہلے بسم اللہ بالجہر (یعنی اونچی آواز میں) پڑھتے اوررکوع کے بعدکھڑے ہوکر بکثرت قرآنی دعائیں باآوازبلندتلاوت کرتے۔آپؓ حضرت مسیح موعودؑ کی کتب کی پروف ریڈنگ بھی کرتے۔دسمبر1896ءمیں جلسہ اعظم مذاہب میں حضرت مسیح موعودؑ کاتحریرکردہ مضمون جس کےمتعلق اللہ پاک نے فرمایاتھا کہ"مضمون بالا رہا" پڑھنے کی سعادت بھی آپؓ کے حصہ میں آئی۔یہ مضمون بعد میں"اسلامی اصول کی فلاسفی" کے نام سے شائع ہوا۔

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے عیدالاضحیہ1900ءکے دن عظیم الشان خطبہ الہامیہ ارشادفرمایاتواس موقع پربھی بہت سی سعادتیں حضرت مولوی صاحبؓ کے حصہ میں آئیں۔جن میں سےسرفہرست یہ کہ اس دن صبح کےوقت آپ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی خدمت میں حاضرہوئےاورعرض کیا کہ آج آپ ضرورکچھ تقریرکریں خواہ چندفقرے ہی ہوں۔حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نےفرمایا کہ "رات الہام ہوا کہ مجمع میں کچھ عربی فقرے پڑھو"۔حضورعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس عظیم الشان معجزہ"خطبہ الہامیہ" کولکھنےاوربعدمیں سلیس ترجمہ کی سعادت بھی مولوی صاحب کوملی جس کا ذکرخودحضرت مسیح موعودعلیہ السلام نےبھی فرمایا۔منارۃ المسیح کی بنیادمیں ایک اینٹ رکھنے کی سعادت آپ کوبھی ملی۔ستمبر1904ء میں لاہورمیں آپؓ نے اپنی پُراثربلندآوازمیں حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی تصنیف لطیف"لیکچرلاہور" پڑھ کرسنائی۔الغرض اس نابغہ وجودنے اپنے امام اپنے آقاحضرت اقدسؑ کی خدمت کرنے کی توفیق حاصل کی۔

اگست1905ءمیں آپ کوکاربنکل یعنی کینسرکاپھوڑانکلا۔اس دوران حضرت مسیح موعودؑ کومتعددالہامات"سینتالیس سال عمر"،"اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن"، "کفن میں لپٹا گیا"،اور"تحقیق،موتوں کےتیررَدنہیں کیےجاتے"وغیرہ ہوئے۔کینسرسےآرام کے بعدآپؓ کونمونیہ ہوگیاجس میں ایک دن مبتلارہ کرظہراورعصر کےدرمیان آپؓ11اکتوبر1905ءکووفات پاگئے۔اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

حضرت مولوی عبدالکریم سیالکوٹی صاحبؓ وہ خوش نصیب مبارک وجود ہیں جن کاجنازہ دومرتبہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے پڑھایا۔ایک مرتبہ جب آپؓ کی وفات ہوئی اوردوسری مرتبہ جب پرانےقبرستان سے آپؓ کا تابوت نکال کر بہشتی مقبرہ قادیان میں لایاگیااور27دسمبرکی صبح دس بجے دوبارہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپؓ کاجنازہ پڑھاکرتدفین کی۔یوں آپؓ بہشتی مقبرہ قادیان میں دفن ہونے والے پہلے احمدی ہیں۔حضورعلیہ السلام نے آپؓ کےمتعلق ایک مرتبہ فرمایا:"وہ ہماری صحبت میں ایسے گم ہوگئے تھے کہ اگرہم دن کوکہتے کہ ستارے ہیں اوررات کوکہتے کہ سورج ہےتووہ کبھی انکارکرنے والے نہ تھے،ان کوہمارے ساتھ ایک اتحاداورپوری موافقت حاصل تھی۔کسی امرمیں وہ ہمارے ساتھ خلاف رائے کرنا کفرسمجھتے تھے۔ان کومیرےساتھ نہایت درجہ محبت تھی اوروہ رفقاءصفہ میں سے ہوگئے تھےجن کی تعریف خداتعالیٰ نے پہلے سے ہی اپنی وحی میں کی تھی،ان کی عمر ایک معصومیت میں گزری تھی اوردُنیا کی عیش کا کوئی حصہ انہوں نے نہیں لیاتھا۔...... ان کےمتعلق ایک خاص الہام تھامسلمانوں کالیڈر۔......الخ"۔

(اخباربدرقادیان12جنوری1906ء)

اللہ تعالیٰ حضرت مولوی صاحبؓ پربیشماررحمتیں نازل کرے۔آمین ثم آمین

تذکرہ مہدی۔روایاتِ محمودؓ کی روشنی میں (تیسری قسط)

(حبیب الرحمٰن زیروی)

ابتدائی خاندانی حالات

ہماری تائی صاحبہ کے احمدی ہونے میں بڑا دخل مرزا احسن بیگ صاحب کا تھا۔ وہ ان کی بہن کے بیٹے تھے۔ ان کی ایک بہن اعظم آباد میں بیاہی ہوئی تھی اور اس کے دو بیٹے تھے۔ ایک مرزا اسلم بیگ صاحب اور دوسرے مرزا احسن بیگ صاحب، مرزا احسن بیگ صاحب ہمارے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ سب سے پہلے ان کی میرے ساتھ دوستی ہوئی اور پھر انہوں نے اسی زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کر لی۔ بعد میں ریاست بوندی میں ان کو بیس ہزار ایکڑ زمین ملی۔ چونکہ ریاست آباد نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے ریاست کے حکام نے بعض لوگوں کو بڑے بڑے علاقے دے دیئے تھے کہ ان کو آباد کرو۔ آخر میں ریاست نے کچھ زمین واپس لے لی کیونکہ وہ اسے آباد نہ کر سکے۔ مگر پھر بھی چار پانچ گاؤں ان کے پاس رہ گئے۔ اب ان کے ایک بیٹے وہاں کام کرتے ہیں۔ گو ادھر آ جانا ان کے لئے مبارک ہے مگر انہیں لالچ ہے کہ پانچ گاؤں کیسے چھوڑوں۔ اگر میں پاکستان آ گیا تو پیچھے گورنمنٹ یہ جائیداد ضبط کر لے گی۔ اس لئے وہ وہیں بیٹھے ہوئے ہیں حالانکہ ان کی ماں ایک بڑی مخلص احمدی تھیں اور ان کا باپ بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا تھا۔ غرض تائی صاحبہ کی یہ بہن اعظم آباد میں بیاہی گئی تھیں اور اعظم آباد والے اپنے آپ کو بڑا رئیس سمجھتے تھے۔ سارا شاہدرہ ان کے پاس تھا۔ مرزا اعظم بیگ صاحب جو ان کے بڑے ہیڈ تھے وہ سب سے پہلے ہندوستانی تھے جو سیٹلمنٹ آفیسر بنے اس سے پہلے صرف انگریز ہی اس عہدہ پر پہنچتے تھے۔ پھر وہ کابل میں بھی رہے اور وہاں ایمبسی میں ان کو بڑے عہدہ پر رکھا گیا۔ بعد میں وہ ہزارہ میں سیٹلمنٹ آفیسر بن گئے۔ وہاں انہوں نے اپنی امارت کے گھمنڈ میں بڑے بڑے ظلم بھی کئے۔ چنانچہ ایک دفعہ میں کشمیر سے واپس آ رہا تھا تو مولوی سید سرور شاہؓ صاحب نے جو ہزارہ کے ہی رہنے والے تھے مجھے سنایا کہ جب مرزا صاحب یہاں سیٹلمنٹ آفیسر بن کر آئے تو انہوں نے اپنے غرور میں فلاں رئیس کو کہا کہ تمہارا گھوڑا مجھے بہت پسند آیا ہے۔ وہ مجھے بھیج دو اور پھر کہا کہ دیکھنا یہ گھوڑا آج شام تک میرے پاس پہنچ جائے۔ مولوی سرور شاہ صاحبؓ نے بتایا کہ وہ رئیس اتنا مالدار تھا کہ سارا علاقہ اس کے پاس تھا مگر جب انہوں نے اس کو حکم دیا تو وہ بھی چونکہ نواب اور رئیس تھا اڑ گیا اور کہنے لگا مرزا صاحب اگر آپ مجھے کسی اور کی معرفت کہلا بھیجتے کہ مجھے گھوڑا دے دو تو ایک نہیں میں دس گھوڑے بھی دے دیتا مگر آپ نے حکم دیا ہے تو اب چاہے آپ میری ساری جائیداد تباہ کر دیں اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں میں گھوڑا نہیں دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے سیٹلمنٹ میں اس کی تمام جائیداد اس کے رشتہ داروں کے نام لکھ دی اور اس کو تباہ کر دیا۔ مولوی صاحب کہنے لگے کہ وہ اب تک غریب چلے آتے ہیں۔ حالانکہ پہلے وہ بہت ہی صاحب رسوخ تھے غرض ان کے خاندان میں ہماری وہ پھوپھی بیاہی گئی تھیں اور ہمارے دادا کی ناپسندیدگی کے باوجود بیاہی گئی تھیں۔ مرزا اعظم بیگ صاحب جو اس خاندان کے مورث اعلیٰ تھے انہوں نے ہمارے دادا کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم قادیان دیکھنا چاہتے ہیں وہ چغتائی خاندان کے مغل تھے اور ہم برلاس خاندان کے ہیں اور برلاس چغتائیوں کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ پرانے زمانہ میں یہ طریق رائج تھا کہ اگر کوئی کہے کہ ہم آپ کا گاؤں دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم آپ کی لڑکی لینا چاہتے ہیں۔ جب مرزا اعظم بیگ صاحب نے یہ پیغام بھیجا تو ہمارے دادا جلال میں آ گئے اور کہنے لگے تم چغتائیوں کو بھی یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ ہم سے لڑکیاں مانگو۔ جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ ہمیں نہیں منظور۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے تھے کہ ہمارے باپ کے غرور کا ہی یہ نتیجہ نکلا کہ ان کی وفات کے بعد ہماری تین لڑکیاں ان کے خاندان میں بیاہی گئیں جن میں سے ایک تو یہی ہماری پھوپھی تھیں اور ایک اور چچا کی لڑکی تھی۔ اس طرح ان کے گھر میں ہماری لڑکیوں کا اچھا خاصا اجتماع ہو گیا۔ پھر نہ صرف ہماری لڑکیاں ہی ان کے ہاں گئیں بلکہ ہماری جائیدادیں بھی ان کے قبضہ میں جانی شروع ہوئیں یہاں تک کہ قادیان کے سوا ہماری ساری جائیداد ان لوگوں کے پاس چلی گئی۔ چنانچہ راج پورہ جو میں نے بعد میں بیس ہزار روپیہ میں خریدا وہ انہی لوگوں کے پاس چلا گیا تھا۔ پھر محلّہ دارالرحمت جہاں بنا ہے وہ حصہ بھی ان لوگوں کے پاس چلا گیا تھا۔ یہ جائیداد ان کے پڑپوتے مرزا اکرم بیگ نے ایک سکھ کے پاس اٹھارہ ہزار روپے میں بیچ دی تھی جو بعد میں حق شفعہ کے ذریعے ہم نے واپس لی۔

مرزا اکرم بیگ کے والد مرزا افضل بیگ صاحب ایک ریاست میں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے اور ناچ گانے کا انہیں شوق تھا شراب کی بھی عادت پڑی ہوئی تھی مگر آخر میں انہوں نے ان تمام عادتوں سے توبہ کر لی اور قادیان آ گئے بیعت کے بعد وہ ایک دفعہ بیمار ہوئے اور علاج کے لئے لاہور گئے تو ڈاکٹر نے کہا کہ اگر آپ تھوڑی سی شراب پی لیں تو آپ بچ سکتے ہیں۔ وہ کہنے لگے ایک دفعہ میں نے شراب سے توبہ کر لی ہے اب میں نہیں پیوں گا۔ چنانچہ وہ مَر گئے لیکن انہوں نے شراب کو نہیں چھوا۔ غرض بیعت کے وقت جو انہوں نے عہد کیا تھا اُس پر وہ پورے اُترے لیکن ان کا بیٹا اچھا نہ نکلا۔ اُس نے دارالرحمت والی زمین ایک سکھ کے پاس بیچ دی تھی۔ شیخ مختار احمد صاحب ایک غیر احمدی بیرسٹر تھے جو ہم سے بہت محبت رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ انہوں نے مجھے لکھا کہ آپ کی اتنی قیمتی جائیداد ہے جو اکرم بیگ نے فلاں سکھ کو اٹھارہ ہزار روپیہ میں دے دی ہے۔ یہ بڑی قیمتی جائیداد ہے۔ اگر آپ اٹھارہ ہزار روپیہ کا بندوبست کر لیں تو یہ جائیداد آپ واپس لے لیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ بہت ہی قیمتی جائیداد تھی۔ چنانچہ بعد میں ہم نے اس سے پانچ لاکھ روپیہ کمایا۔

(خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 28 مارچ 1958ء الفضل ربوہ 12 اپریل 1958ء جلد 47/12 نمبر 86 صفحہ 5-4)

خلوت نشینی

کبھی وہ وقت تھا کہ وہ شخص جس کے متعلق بعض دفعہ اس کے والد کے گھرے

دوست بھی اس کا نام سن کر کہا کرتے تھے کہ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کا کوئی اور بیٹا بھی ہے یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے والد کے دوستوں میں سے کئی ایسے تھے جو سالہا سال کی ملاقات کے بعد یہ معلوم نہ کر سکے تھے کہ مرزا غلام قادر صاحب کے سوا ان کا کوئی اور بیٹا بھی ہے کیونکہ بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ گوشہ تنہائی میں رہتے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے عادی تھے۔ (افتتاحی تقریر جلسہ سالانہ 1934ء، انوار العلوم جلد 13 صفحہ 308)

خاندان کی نسلیں منقطع

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بتایا گیا کہ تیرے سوا اس خاندان کی نسلیں منقطع ہو جائیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اب اس خاندان میں سے وہی لوگ باقی ہیں جو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے اور باقی سب کی نسلیں منقطع ہو گئی ہیں۔

جس وقت حضرت مسیح موعودؑ نے دعویٰ کیا اس وقت خاندان میں ستر کے قریب مرد تھے لیکن اب سوائے ان کے جو حضرت مسیح موعودؑ کی جسمانی یا روحانی اولاد ہیں ان ستر میں سے ایک کی بھی اولاد نہیں ہے۔

(الفضل 7 اکتوبر 1919ء جلد 7 نمبر 28 صفحہ 8-7)

مطالعہ کی عادت

آپؑ فرمایا کرتے تھے کہ بعض دفعہ آپ کے والد نہایت افسردہ ہو جاتے تھے اور کہتے تھے کہ میرے بعد اس لڑکے کا کس طرح گزارہ ہوگا اور اس بات پر ان کو سخت رنج تھا کہ یہ اپنے بھائی کا دست نگر رہے گا اور کبھی کبھی وہ آپ کے مطالعہ پر چڑ کر آپ کو ملّاں بھی کہہ دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ ہمارے گھر میں ملّاں کہاں سے پیدا ہو گیا ہے لیکن باوجود اس کے خود ان کے دل میں بھی آپ کا رعب تھا۔ اور جب کبھی وہ اپنی دنیاوی ناکامیوں کو یاد کرتے تھے تو دینی باتوں میں آپ کے استغراق کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے اور اس وقت فرماتے تھے کہ اصل کام تو یہی ہے جس میں میرا بیٹا لگا ہوا ہے لیکن چونکہ ان کی ساری عمر دنیا کے کاموں میں گذری تھی اس لئے افسوس کا پہلو غالب رہتا تھا مگر حضرت مرزا صاحب اس بات کی بالکل پرواہ نہ کرتے تھے بلکہ کسی کسی وقت قرآن وحدیث اپنے والد صاحب کو بھی سنانے کے لئے بیٹھ جاتے تھے۔ اور یہ ایک عجیب نظارہ تھا کہ باپ اور بیٹا دو مختلف کاموں میں لگے ہوتے تھے اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو شکار کرنا چاہتا تھا۔ باپ چاہتا تھا کہ کسی طرح بیٹے کو اپنے خیالات کا شکار کرے اور دنیاوی عزت کے حصول میں لگا دے اور بیٹا چاہتا تھا کہ اپنے باپ کو دنیا کے خطرناک پھندے سے آزاد کر کے اللہ تعالیٰ کی محبت کی لَو لگا دے۔ غرض یہ عجیب دن تھے جن کا نظارہ کھینچنا قلم کا کام نہیں۔

(رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو جلد 15 نمبر 9 ستمبر 1916ء صفحہ 333)

خدمت دین کی لگن

مجھے سب سے زیادہ ایک بوڑھے شخص کی شہادت پسند آیا کرتی ہے۔ یہ ایک سکھ ہے جو آپ کا بچپن کا واقف ہے۔ وہ آپ کا ذکر کر کے بے اختیار رو پڑتا ہے۔ اور سنایا کرتا ہے کہ ہم کبھی آپ کے پاس آ کر بیٹھتے تھے تو آپ ہمیں کہتے تھے کہ جا کر میرے والد صاحب سے سفارش کرو کہ مجھے خدا اور دین کی خدمت کرنے دیں اور دنیوی کاموں سے معاف رکھیں۔ پھر وہ شخص یہ کہہ کر رو پڑتا کہ "وہ تو پیدائش سے ہی ولی تھے۔" (احمدیت یعنی حقیقی اسلام۔ انوار العلوم جلد 8 صفحہ 207)

محبت الٰہی

جب آپ (حضرت مسیح موعودؑ) کی عمر نہایت چھوٹی تھی تو اس وقت آپ ایک اپنی ہم سن لڑکی کو جس سے بعد میں آپ کی شادی بھی ہو گئی کہا کرتے تھے کہ "نامراد ے دعا کر کہ خدا میرے نماز نصیب کرے۔" اس فقرہ سے جو نہایت بچپن کی عمر کا ہے پتہ چلتا ہے کہ نہایت بچپن کی عمر سے آپ کے دل میں کیسے جذبات موجزن تھے اور آپ کی خواہشات کا مرکز کس طرح خدا ہی خدا ہو رہا تھا۔

(رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو بابت ماہ ستمبر 1916ء جلد 15 نمبر 9 صفحہ 328)

بکریاں چروانا

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بچپن کا واقعہ ہے۔ ایک غیر احمدی جو اَب فوت ہو چکا ہے اس نے سنایا کہ حضرت صاحب جب بچہ تھے گاؤں سے باہر شکار کے لئے گئے اور شکار کے لئے پھندا تیار کرنے لگے، پھر اس خیال سے کہ کھانا کھانے کے لئے گھر نہیں جا سکیں گے ایک دھیلہ ایک بکری چرانے والے کو دیا کہ جا کر چنے بھنوا لاؤ (اس زمانہ میں روپیہ کی بہت قیمت تھی اور کوڑیوں سے بھی خرید وفروخت ہوا کرتی تھی) اور اس سے وعدہ کیا کہ میں اتنی دیر تمہاری بکریوں کا خیال رکھوں گا۔ وہ شخص جا کر کسی کام میں لگ گیا اور وہ واپس نہ آیا۔ ایک دوسرے شخص نے دیکھ کر کہا کہ آپ اس قدر دیر سے انتظار کر رہے ہیں۔ میں جا کر اسے بھیجوں اور یہ شخص جا کر اس لڑکے کو تلاش کرتا رہا اور کہیں شام کے قریب اسے جا ڈھونڈا اور آپ شام تک بکریاں چرایا کئے اور اپنے وعدہ پر قائم رہے۔ جب وہ آیا تو آپ اس پر ناراض بھی نہ ہوئے۔ یہ اخلاق ہیں جو جیتنے والوں میں ہوتے ہیں نہ یہ کہ عمر آخر ہونے کو آئی ہے اور ہر کام میں سستی، ہر کام میں غفلت، کوئی ہوشیار کرے تو ہوشیار ہوں ورنہ پھر غفلت کی حالت میں چلے جائیں۔

(خطبات محمود جلد 15 صفحہ 368)

میں نے جس کا نوکر ہونا تھا ہو چکا

مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ آپ کے ایام جوانی میں آپ کے والد صاحب اور ہمارے دادا صاحب اکثر اوقات افسوس کا اظہار کیا کرتے تھے کہ میرا ایک بچہ تو لائق ہے۔ (یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑے بھائی اور ہمارے تایا مرزا غلام قادر صاحب) مگر دوسرا لڑکا (یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام) نالائق ہے کوئی کام نہ اسے آتا ہے اور نہ وہ کرتا ہے۔ مجھے فکر ہے کہ میرے مرنے کے بعد یہ کھائے گا کہاں سے؟

یہاں سے جنوب کی طرف ایک گاؤں ہے، کاہلواں اس کا نام ہے وہاں کا ایک سکھ مجھ سے اکثر ملنے آیا کرتا تھا۔ اسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسی محبت تھی کہ باوجود سکھ ہونے کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر پر جا کر سلام کیا کرتا تھا۔ دعا کا طریق ان میں نہیں۔ خلافت کے ابتدائی ایام میں جبکہ نو دس بجے کے قریب ڈاک آیا کرتی تھی اور میں مسجد مبارک میں بیٹھ کر ڈاک دیکھا کرتا تھا ایک دن وہ سکھ اس وقت جبکہ میں ڈاک دیکھ رہا تھا آیا اور مسجد مبارک کی سیڑھیوں پر سے ہی مجھے دیکھ کر چیخ مار کر کہنے لگا۔ آپ کی جماعت نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے۔ مجھے چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کے تعلقات کا علم تھا۔ میں نے اسے محبت سے بٹھایا اور پوچھا کیا ہوا ہے۔ آپ بیان کریں اگر میری جماعت کے کسی شخص نے آپ کو کسی قسم کی تکلیف اور دکھ دیا ہے تو میں اسے

سزادوں گا۔ میرے یہ کہنے پر اس نے جو دکھ بتایا وہ یہ تھا کہ میں مرزا صاحب کی قبر پر متّھا ٹیکنے کے لئے گیا تھا۔ مگر مجھے متّھا ٹیکنے نہیں دیا گیا۔ میں نے کہا ہمارے ہاں یہ شرک ہے اور ہم اس کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اس نے کہا۔ اگر آپ کے مذہب میں یہ بات ناجائز ہے تو آپ نہ کریں مگر میرے مذہب سے آپ کو کیا واسطہ! مجھے کیوں نہ متّھا ٹیکنے دیا جائے۔ جب اس کا جوش ٹھنڈا ہوا تو کہنے لگا۔ ہمارا آپ کے خاندان سے پرانا تعلق ہے، میرا باپ بھی آپ کے دادا صاحب کے پاس آیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ جب وہ آیا تو میں اور میرا ایک بھائی بھی ساتھ تھے۔ اس وقت ہم چھوٹی عمر کے تھے، آپ کے دادا صاحب اس وقت افسوس سے میرے باپ کو کہنے لگے۔ مجھے بڑا صدمہ ہے، اب میری موت کا وقت قریب ہے، میں اپنے اس لڑکے کو بہت سمجھاتا ہوں کہ کوئی کام کرے، مگر یہ کچھ نہیں کرتا۔ کیا میرے مرنے کے بعد یہ اپنے بھائی کے ٹکڑوں پر پڑا رہے گا۔ پھر کہنے لگے لڑکے لڑکوں کی باتیں مان لیتے ہیں اور ہم دونوں بھائیوں سے کہا۔ تم جا کر اسے سمجھاؤ اور پوچھو کہ اس کی مرضی کیا ہے؟ ہم دونوں بھائی گئے۔ دوسرے بھائی کو تو میں نے نہیں دیکھا وہ پہلے فوت ہو چکا تھا مگر جس نے یہ بیان کیا وہ مجھ سے ملتا رہتا تھا۔ اس نے بتایا ہم آپ کے والد صاحب کے پاس گئے اور جا کر کہا آپ کے باپ کو شکوہ ہے کہ آپ کوئی کام نہیں کرتے۔ نہ کوئی ملازمت کرنا چاہتے ہیں اس سے اُن کے دل پر بہت صدمہ ہے۔ آپ ہمیں بتائیں، آپ کا ارادہ کیا ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بات سن کر فرمایا بڑے مرزا صاحب خواہ مخواہ فکر کرتے ہیں میں نے جس کا نوکر ہونا تھا اس کا نوکر ہو چکا ہوں۔ ہم نے آ کر بڑے مرزا صاحب سے کہہ دیا کہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ مجھے جس کا نوکر ہونا تھا ہو چکا۔ اس پر آپ کے دادا صاحب نے کہا: اگر وہ یہ کہتا ہے تو ٹھیک کہتا ہے۔ (الفضل 31 دسمبر 1933ء جلد 21 نمبر 78 صفحہ 3)

مقدمات میں پیش ہونا

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد مرحوم بہت مدبّر اور لائق آدمی تھے مگر دنیا دارانہ رنگ رکھتے تھے جب آپ جوان تھے تو آپ کے والد صاحب مرحوم کو ہمیشہ آپ کے متعلق یہ فکر رہتی تھی کہ یہ لڑکا سارا دن مسجد میں بیٹھا رہتا ہے اور کتابیں پڑھتا رہتا ہے یہ بڑا ہو کر کیا کرے گا اور کس طرح اپنی روزی کما سکے گا؟ آپ کے والد صاحب مرحوم آپؑ کو کئی کاموں کی انجام دہی کے لئے بھیجتے مگر آپ چھوڑ کر چلے آتے یہاں تک کہ زمین کے مقدمات کے بارہ میں ان کو آپ کے خلاف شکایت رہتی تھی کہ وقت پر نہیں پہنچتے۔ ایک دفعہ آپ کسی مقدمہ کی پیروی کے لئے گئے تو عین پیشی کے وقت آپ نے نماز شروع کر دی۔ جب آپ نماز ختم کر چکے تو کسی نے آ کر کہا آپ کا مقدمہ تو آپ کی غیر حاضری کی وجہ سے خارج ہو گیا ہے آپ نے فرمایا اَلْحَمْدُلِلّٰہِ اِس سے بھی جان چھوٹی۔ جب آپ گھر پہنچے تو والد صاحب مرحوم نے ڈانٹا اور کہا تم اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ مقدمہ کی پیشی کے وقت عدالت میں حاضر رہو۔ آپ نے فرمایا نماز مقدمہ سے زیادہ ضروری تھی (گو مقدمہ کے متعلق میں نے سنا ہے کہ بعد میں معلوم ہوا کہ مقدمہ آپ کے حق میں ہی ہو گیا تھا۔)

کاہلواں کے دو بھائی جو سکھ تھے ان کو آپ کے ساتھ عشق تھا۔ وہ ہمیشہ آپ کے پاس آیا کرتے تھے اور باوجود سکھ ہونے کے وہ آپ کے بہت زیادہ معتقد تھے۔ آپ کی وفات کے بعد ایک دفعہ مَیں نماز پڑھا کر اندر جانے لگا تو انہی دونوں بھائیوں میں سے ایک نے مجھے روک لیا اور کہا خدا کے لئے آپ اپنی جماعت کے لوگوں کو روکیں کہ وہ ہم پر ظلم نہ کریں۔ میں حیران ہوا کہ ہماری جماعت کے لوگوں نے آپ پر کیا ظلم کیا ہے؟ میں نے اُسے تسلی دی اور کہا کہ اگر کسی نے کوئی ایسی حرکت کی ہے تو میں اُسے سزادوں گا تم بتاؤ کہ کس نے تمہارے ساتھ ظلم کیا ہے؟ اُس نے بتایا کہ میں بہشتی مقبرہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر پر گیا تھا اور میں نے وہاں سجدہ کرنا چاہا لیکن آپ کے آدمیوں نے روک دیا۔ میں نے کہا یہ چیز تو ہمارے مذہب میں ناجائز ہے اسی لئے انہوں نے آپ کو روکا ہے۔ وہ کہنے لگا آپ کے مذہب میں بیشک ناجائز ہے مگر ہمارے مذہب میں تو ناجائز نہیں۔ اس سے ان کی محبت کا پتہ لگتا ہے۔ ان بھائیوں نے خود مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک واقعہ سنایا اور کہا کہ حضرت مرزا صاحب کے ساتھ ہماری دوستی تھی اور ہم اکثر ان کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کے دادا نے جب ہم اپنے باپ کے ساتھ آئے ہمیں کہا کہ میں نے تو غلام احمد (مسیح موعود) کو بہت سمجھایا ہے مگر اس کی اصلاح نہیں ہوتی یہ سارا سارا دن مسجد میں بیٹھا رہتا ہے بڑا ہو کر کیا کرے گا؟ کیا یہ اپنے بھائی کے ٹکڑوں پر جئے گا؟ میرا خیال ہے کہ تم اس کے ہمجولی ہو اور ہم عمر ہو تم جا کر اس کو سمجھاؤ شاید تمہارے کہنے سے سمجھ جائے۔ چنانچہ ہم آپ کے پاس گئے اور ان کو سمجھانا شروع کیا۔ جب ہم بات ختم کر چکے تو آپ نے کہا والد صاحب تو یونہی گھبراتے ہیں میں نے جس کی نوکری کرنی تھی کر لی ہے۔ وہ سکھ سنایا کرتے تھے کہ ہم نے جب آپ کا یہ جواب آپ کے والد صاحب کو جا کر سنایا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور انہوں نے کہا غلام احمد کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ اگر وہ کہتا ہے کہ میں نے جس کی نوکری کرنی تھی کر لی ہے تو وہ ضرور سچ کہتا ہوگا۔

پس مومن صرف اللہ کی نوکری کرتا ہے۔ عام طور پر لوگ سَترہ اٹھارہ روپیہ پر فوجوں میں بھرتی ہوتے ہیں اور اِسی حقیر رقم کے لئے اپنی جانیں لڑا دیتے ہیں تو کیا ایک مومن اسلام کی خاطر اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے کے لئے تیار نہ ہوگا؟ ہوگا اور ضرور ہوگا کیونکہ مومن جانتا ہے کہ وہ خدا کا مینار ہے جس کی روشنی میں دنیا کی تمام تاریکیاں اور ظلمتیں دُور ہو جاتی ہیں۔

(انصاف پر قائم ہو جاؤ، انوار العلوم جلد 18 صفحہ 603، 604)

والد صاحب کے مقدمات کی پیروی

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے والد کے دوستوں میں سے کئی ایسے تھے جو سالہا سال کی ملاقات کے بعد یہ معلوم نہ کر سکتے تھے کہ مرزا غلام قادر صاحب کے سوا ان کا کوئی اور بیٹا بھی ہے کیونکہ بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ گوشۂ تنہائی میں رہتے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے عادی تھے۔ اس وقت ہمارے ایک دوست سٹیج پر میرے پاس ہی بیٹھے ہیں۔ وہ سنایا کرتے ہیں۔

ابتدائے ایام میں یعنی اپنی ابتدائی زندگی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے والد صاحب مقدمات کی پیروی کے لئے بھیج دیا کرتے تھے۔ ایک اہم مقدمہ چل رہا تھا جس کی کامیابی پر خاندانی عزت اور خاندان کے وقار کا انحصار تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ کے والد صاحب نے لاہور بھیج دیا کہ وہاں جا کر پیروی کریں چنانچہ آپ لمبا عرصہ جو مہینہ ڈیڑھ مہینہ کے قریب تھا لاہور رہے۔ قادیان کے سید محمد علی شاہ صاحب لاہور میں رہتے تھے ان کے پاس آپ ٹھہرے اور انہوں نے اپنے ایک دوست کی گاڑی کا انتظام کر دیا کہ

جب چیف کورٹ کا وقت ہو آپ کو وہاں پہنچا آیا کرے اور جب وقت ختم ہو جائے آپ کو لے آئے۔ یہ بیان کرنے والے دوست کے والد صاحب کی گاڑی تھی۔ کئی دنوں کے انتظار کے بعد جب فیصلہ سنایا گیا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام گاڑی کے پہنچنے سے پہلے ہی سید محمد علی شاہ صاحب کے گھر آ گئے۔ سید صاحب نے پوچھا۔ آج آپ گاڑی کے پہنچنے سے پہلے ہی آ گئے؟ آپ بڑے خوش خوش تھے۔ فرمانے لگے مقدمہ کا فیصلہ ہو گیا ہے اس لئے میں پہلے ہی آ گیا۔ سید صاحبؓ نے آپؑ کی خوشی کو دیکھ کر سمجھا مقدمہ میں کامیابی ہوئی ہوگی مگر جب پوچھا کہ کیا مقدمہ جیت گئے؟ تو آپؑ نے فرمایا۔ مقدمہ تو ہار گئے مگر اچھا ہوا جھگڑا تو مٹا، اب ہم اطمینان سے خدا تعالیٰ کو یاد کر سکیں گے۔ یہ سن کر سید صاحب بہت ناراض ہوئے۔ اس وقت تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعویٰ نہیں کیا تھا اور جب آپؑ نے دعویٰ کیا تو بھی کچھ عرصہ تک سید صاحبؓ مخالف رہے۔ انہوں نے ناراض ہو کر کہا۔ اس مقدمہ کے ہار جانے سے تو آپ کے خاندان پر تباہی آ جائے گی اور آپ خوش ہو رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ جو خدا تعالیٰ نے کہا تھا وہ پورا ہو گیا۔ تو دعویٰ سے قبل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حالت تھی۔ آپؑ دنیا سے بالکل الگ تھلگ رہتے تھے۔ آپؑ فرماتے اسی خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب تک اس نے مجھے مجبور نہیں کر دیا کہ دنیا کی اصلاح کے لئے کھڑا ہوں اس وقت تک میں نے دنیا کی طرف توجہ نہ کی۔ گویا روحانی طور پر آپؑ غار حرا میں رہتے تھے جس میں رہتے ہوئے آپؑ کو دنیا کی کوئی خبر نہ تھی اور دنیا کو آپؑ کی کوئی خبر نہ تھی۔ (الفضل یکم جنوری 1935ء جلد 22 نمبر 79 صفحہ 3)

باقاعدہ نماز پڑھنے کی عادت

سید منظور علی شاہ صاحب کے والد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ اوائل کے واقف تھے۔ ان کے تعلقات ملک غلام محمد صاحب کے والد صاحب کے ساتھ بہت گہرے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت ملک صاحب بھی آئے ہوئے ہیں۔ شاہ صاحبؓ ایام جوانی میں لاہور نوکر تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب لاہور جاتے تو ان کے پاس ٹھہرتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقدمہ ہارنے کا جو واقعہ لکھا ہے اس میں انہی کا ذکر ہے۔ آپؑ مقدمہ کا فیصلہ سننے کے لئے لاہور گئے ہوئے تھے اور روزانہ چیف کورٹ میں جاتے تھے۔ ایک دن خوش خوش واپس آئے تو شاہ صاحب نے کہا کیا مقدمہ جیت آئے؟ آپؑ نے فرمایا۔ مقدمہ تو نہیں جیتا مگر اچھا ہوا حکم سنا دیا گیا کیونکہ وہاں جانے کی وجہ سے نمازیں پڑھنے میں تکلیف ہوتی تھی۔ اُس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ابھی دعویٰ نہ کیا تھا۔ شاہ صاحبؓ نے غصہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ آپؑ کے باپ کا اتنا بڑا نقصان ہو گیا ہے اور آپؑ خوش ہو رہے ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ نہایت ابتدائی زمانہ سے شاہ صاحب کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلقات تھے اور بہت محبت رکھتے تھے۔ آج ان کی پوتی کی شادی ہے۔'' (خطبات محمود جلد سوم صفحہ 455)

سیالکوٹ ملازمت میں حکمت

خدا تعالیٰ جو آپ کو سیالکوٹ لے گیا تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ آپ کو گھر میں کھانے کو نہ ملتا تھا اور معاش کے لئے آپ کو کسی نوکری کی تلاش تھی۔ خدا کے فضل سے گورنمنٹ ہمارے خاندان کو رؤسائے پنجاب میں شمار کرتی ہے۔ ہماری جائیداد کو دیکھ لو قادیان کے ہم مالک ہیں اور اُن لوگوں سے قبل جنہوں نے سکونت کی غرض سے ہم سے زمین خریدی کسی کی چپہ بھر زمین بھی وہاں نہ تھی۔ اس کے علاوہ تین اور گاؤں ہماری ملکیت ہیں اور دو میں تعلقہ داری ہے۔ پس سوچنا چاہئے کہ اگر مرزا صاحب نے نوکری کی تو ضرور اس میں کوئی اور غرض ہوگی آپؑ کے دل کی یا خدا تعالیٰ کی اور حقیقت یہ ہے کہ اس میں دونوں کی ایک ایک غرض تھی۔ حضرت مرزا صاحب کی ایک تحریر ملی ہے جو آپؑ نے والد صاحب کے نام لکھی تھی۔ آپؑ کے والد صاحب آپؑ کو دنیوی معاملات میں ہوشیار کرنے کیلئے مقدمات وغیرہ میں مصروف رکھنا چاہتے تھے اور آپؑ کی جو تحریر ملی ہے اس میں آپؑ نے اپنے والد صاحب کو لکھا ہے کہ دنیا اور اس کی دولت سب فانی چیزیں ہیں مجھے ان کاموں سے معذور رکھا جائے۔ مگر انہوں نے جب آپ کا پیچھا نہ چھوڑا تو آپ سیالکوٹ چلے گئے کہ دن کو تھوڑا سا کام کر کے رات کو بے فکری کے ساتھ ذکر الٰہی کر سکیں۔ دوسری حکمت اس میں یہ ہے کہ قادیان سارا ہماری ملکیت ہے اور اب بھی جن لوگوں نے وہاں زمینیں لی ہیں وہ سب احمدی ہیں اس لحاظ سے بھی گویا وہاں کے لوگ ہماری رعایا ہیں۔ اس لئے وہاں کے لوگوں کی حضرت مرزا صاحب کے متعلق شہادت پر کوئی کہہ سکتا تھا کہ '' خواجہ کا گواہ مینڈک'' اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو سیالکوٹ لا ڈالا۔ جہاں آپؑ کو غیروں میں رہنا پڑا اور اس طرح خدا تعالیٰ کا منشاء یہ تھا کہ ناواقف لوگوں میں سے وہ لوگ جن پر آپؑ یا آپؑ کے خاندان کا کوئی اثر نہ ہو۔ آپؑ کی پاکیزہ زندگی کے لئے شاہد کھڑے کئے جائیں۔ پھر سیالکوٹ پنجاب میں عیسائیوں کا مرکز ہے وہاں آپ کو ان سے مقابلہ کا بھی موقعہ مل گیا۔ آپؑ عیسائیوں سے مباحثات کرتے رہتے تھے اور مسلمانوں نے آپؑ کی زندگی کو دیکھا۔ قادیان کے لوگوں کو آپ کے مزارع کہا جا سکتا تھا مگر سیالکوٹ کے لوگوں کی یہ حیثیت نہیں تھی۔ وہاں کے تمام بڑے بڑے مسلمان آپؑ کی عُلو شان کے معترف ہیں۔ مولوی میر حسن صاحب جو ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے استاد تھے اور جن کے متعلق ڈاکٹر صاحب ہمیشہ اظہار عقیدت کرتے رہے ہیں۔ اگرچہ آخر تک سلسلہ کے مخالف رہے مگر وہ ہمیشہ اس بات کے معترف تھے کہ مرزا صاحب کا پہلا کیریکٹر بے نظیر تھا اور آپؑ کے اخلاق بہت ہی اعلیٰ تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو سیالکوٹ میں معمولی نوکری اس غرض سے کرائی تھی۔ اس زمانہ میں عیسائیوں کا بڑا رعب ہوتا تھا۔ اب تو کانگرس نے اسے بہت کچھ مٹا دیا ہے۔ اس زمانہ میں پادریوں کا رعب بھی سرکاری افسروں سے کم نہ تھا اور اعلیٰ افسر تو الگ رہے ادنیٰ ملازموں تک کی یہ حالت تھی کہ چٹھی رسان دیہات میں بڑی شان سے جاتے اور کہتے لاؤ مٹھائی کھلاؤ تمہارا خط لایا ہوں۔ تو اس وقت پادریوں کا بہت رعب تھا لیکن جب سیالکوٹ کا انچارج مشنری ولایت جانے لگا تو وہ حضرت مرزا صاحب کے ملنے کے لئے خود کچہری آیا۔ ڈپٹی کمشنر اسے دیکھ کر اس کے استقبال کے لئے آیا اور دریافت کیا کہ آپ کس طرح تشریف لائے ہیں؟ کوئی کام ہو تو ارشاد فرمائیں مگر اس نے کہا۔ میں صرف آپ کے اس منشی سے ملنے آیا ہوں۔ یہ ثبوت تھا اس امر کا کہ آپؑ کے مخالف بھی تسلیم کرتے تھے کہ یہ ایک ایسا جوہر ہے جو قابل قدر ہے۔

(تحقیق حق کا صحیح طریق، انوار العلوم جلد 13 صفحہ 407 تا 408)

صلح حدیبیہ۔ اسلام کی فتح و نصرت کا عظیم شاہکار

(قسط سوم۔ آخر)

(ہز ایکسیلنسی افتخار احمد ایاز)

اسلام کی فتح و نصرت کا تیسرا نشان

صلح حدیبیہ کے نتیجے میں اہلِ عرب کا اسلام کی طرف غیر معمولی رجوع

مسلمانوں کے حق میں صلح حدیبیہ کے نتیجے میں حاصل ہونے والی فتح عظیمہ کا تیسرا حسین باب عربوں کی اسلام کی طرف غیر معمولی توجہ اور رغبت پیدا ہوجانے کی صورت میں کھلا۔ اہل مکہ کے تین صد یا اس سے اوپر جگر گوشوں کا مسلمان ہو جانا اسی بات کی ایک اہم کڑی تھی۔ تاہم قبولیت کی یہ رو صرف مکہ تک ہی محدود نہ تھی، بلکہ مدینہ کے اردگرد بسنے والے دیگر عرب قبائل تک بھی وسیع ہوگئی اور یہ غیر معمولی توجہ جس کے پیچھے کوئی دنیوی کشش یا لالچ نہ تھا، اس انیس سالہ طویل کشمکش کے ختم ہونے کے نتیجے میں پیدا ہوئی جو مسلمانوں اور قریشِ مکہ کے درمیان معاہدہ حدیبیہ کے عمل میں آجانے کے بعد امن میں تبدیل ہوچکی تھی۔

اس معاہدہ کی برکت سے مسلمانوں کے لئے پہلی بار امن کا دروازہ کھلا، جس کے ساتھ لوگوں کو اسلام کی طرف آنے یا کم از کم اس کے بارے میں مثبت انداز میں سوچنے کی طرف توجہ پیدا ہوئی۔ چنانچہ اب عرب قبائل کے وفود پر وفود مدینہ آئے اور اسلام قبول کرنے لگے۔ بلکہ جو قبائل پہلے کسی نہ کسی رنگ میں جارحانہ کارروائی میں حصہ لے کر اپنے خلاف کارروائی کو دعوت دے چکے تھے، وہ بھی دامنِ اسلام سے وابستہ ہوکر جان کی امان پانے لگے۔

اس سلسلے میں ان تبلیغی مہمات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو مسلمانانِ مدینہ کی طرف بھجوائی گئیں۔ ان میں قابلِ ذکر وہ مہم ہے جو حضرت عمرو بن العاصؓ کی سرکردگی میں قبیلہ بنی عذرہ کی طرف بھجوائی گئی۔ خود حضرت عمرو بن العاصؓ بھی بالواسطہ طور پر معاہدہ حدیبیہ کا ہی شیریں ثمر تھے، جن پر اسلام کی حقیقت ابھی تھوڑا عرصہ پہلے اس وقت کھلی تھی جب انہوں نے شاہِ حبشہ کی طرف بھیجے جانے والے تبلیغی خط کی برکت اور کامیابی کا منظر اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت عبیدہ بن الجراح کی سرکردگی میں سمندر کے ساحلی علاقوں کی طرف بھیجی جانے والی تبلیغی مہم بھی بہت کامیاب رہی۔ بہرحال معاہدہ حدیبیہ کی ہی برکت تھی کہ ایک طرف عربوں کو مسلمانوں سے ملنے اور ان کے اندر اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کی قوتِ قدسیہ کے طفیل پیدا ہونے والی زبردست اخلاقی اور روحانی تبدیلی کا مشاہدہ کرنے کا موقع ملا۔ دوسری طرف تبلیغی مہمات کی بدولت انہیں اسلامی تعلیم کی خوبیوں سے اطلاع ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دو سالوں کے اندر اندر مسلمانوں کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے ترقی کرکے دس ہزار سے تجاوز کرگئی، جس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ غزوۂ مکہ جو صلح حدیبیہ کے دو سال بعد واقع ہوا اور جو فتح مکہ پر منتج ہوا، اس میں دس ہزار صحابہ نے شمولیت کی۔ اس کے مقابلہ میں انیس سال تکلیفوں اور جنگوں کے دور میں ترقی کی رفتار بہت کم رہی۔ سات سال قبل غزوۂ بدر میں کُل 313 صحابہ نے شرکت کی۔ اُحد کی جنگ میں ایک ہزار صحابہ شامل ہوئے اور احزاب والے معرکہ میں زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ ہزار صحابہ شامل تھے۔ اگرچہ اس معرکہ کے مدینہ کے اندر محدود رہنے کی وجہ سے بچوں اور بوڑھوں کی کُل تعداد تین ہزار بنتی تھی تاہم جنگ میں عملاً حصہ لینے والے مسلمان ڈیڑھ دو ہزار سے زیادہ نہ تھے۔ اس کے بعد صلح حدیبیہ کا واقعہ جو صرف دو سال قبل پیش آیا تھا، اس میں شریک ہونے والے صحابہ کی تعداد صرف چودہ سو تھی۔

اسلام کی فتح کا چوتھا اور سب سے بڑا نشان...... فتح مکہ

صلح حدیبیہ کا آخری اور اپنی نوعیت کا عظیم الشان نشان ایسے غیر متوقع طور پر ظاہر ہوا کہ سارا عالم دنگ رہ گیا۔ اس کے نتیجہ میں سرزمینِ عرب کی تقدیر پلٹ کر رہ گئی اور اس کے ساتھ اسلام ایک بہت بڑی طاقت بن کر صفحۂ ہستی پر نمودار ہوا۔

معاہدہ حدیبیہ کی ایک شرط یہ تھی کہ قبائلِ عرب میں سے جو قبیلہ مسلمانوں کا حلیف بننا چاہے وہ مسلمانوں کے ساتھ مل جائے گا اور جو قریش مکّہ کا حلیف بننا چاہے وہ مکّہ والوں کے ساتھ مل جائے گا۔ اس شق کی رو سے مکہ کے قبائل میں سے بنوخزاعہ مسلمانوں کے اور بنوبکر قریشِ مکہ کے حلیف بن گئے۔ مگر ابھی معاہدہ پر بمشکل دو سال ہی گزرنے پائے تھے کہ بنوبکر نے قریش کے ساتھ مل کر بنوخزاعہ کا نہایت بے دردی سے خون بہایا۔ چنانچہ قریشِ مکہ کو اپنی اس بدعہدی کی سزا دینے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی طرف پیش قدمی فرمائی، جس کے نتیجہ میں وہ عظیم الشان معرکہ رونما ہوا جو فتح مکہ کے نام سے اسلامی تاریخ میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور جس کی بدولت قریشِ مکہ کی طاقت ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی، بلکہ چند مستثنیات کو چھوڑ کر مکہ کے سارے قریش، مرد، عورتیں اور بچے اسلام قبول کرکے مستقل طور پر اسلامی جھنڈے تلے آگئے۔

اس عظیم معرکہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب قریشِ مکہ کا وفد، یعنی ابوسفیان، مدینہ سے خائب و خاسر ہوکر واپس لوٹا تو اس کے جانے کے معاً بعد آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو مکہ کی طرف کوچ کا حکم دے دیا، لیکن ابھی آپؐ مدینہ سے نکلنے نہ پائے تھے کہ آپؐ کو بذریعہ وحی الٰہی یہ اطلاع ملی کہ ایک عورت سارہ کوئی خفیہ خط لے کر مکہ کی طرف جارہی ہے۔ آپؐ نے یہ آسمانی خبر ملتے ہی حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت زبیر بن العوامؓ کو دوڑایا کہ وہ فوراً اس عورت کا پتہ کرکے اس کے قبضے سے وہ خط برآمد کرکے لے آئیں۔ چنانچہ یہ دونوں اصحاب فوری طور پر روانہ ہوگئے اور کچھ دُور کے مقام پر جاکر اس عورت کو گرفتار کرلیا۔ اس کے سارے سامان کی تلاشی لی گئی مگر وہ خط برآمد نہ ہوا۔ اس عورت سے پوچھا گیا کہ وہ سچ سچ بتائے کیا کوئی خفیہ خط لے کر جارہی ہے۔ اس عورت نے انکار کیا۔ اس پر حضرت علیؓ نے کہا: ''یہ نہیں ہوسکتا کہ آنحضرت ﷺ کی بات سچی نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے اس عورت کو ڈرایا اور دھمکایا کہ اگر اس نے وہ خط نکال کر نہ دیا تو یاد رکھے اس کی جان کی خیر نہیں۔ اس پر وہ عورت ڈر گئی اور اس نے وہ خط اپنے بالوں کے جوڑے میں سے نکال کر دے دیا۔ حضرت علیؓ اس عورت کو گرفتار کرکے خط سمیت آنحضرت ﷺ کے پاس مدینہ لے آئے۔ اس عورت سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ خط حضرت

حاطب بن ابی بلتعہ نے اہلِ مکہ کو لکھا ہے، جس کا مضمون یہ تھا کہ مسلمان تم پر چڑھائی کرنے والے ہیں، اس لئے تم ہوشیار ہو جاؤ۔ حضرت حاطب کو بلا کر پوچھا گیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ تو وہ نہایت عاجزی سے کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرے عزیز واقارب مکہ میں ہیں۔ میں نے چاہا کہ مکہ والے ممنون ہو کر انہیں کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ حضرت عمرؓ بولے: ''یا رسول اللہ ﷺ! مجھے حکم دیں۔ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''عمر! تمہیں معلوم نہیں، حاطب ان بدری صحابہ میں سے ہیں جن کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ان کے سب گناہ معاف کر دیے گئے ہیں۔'' چنانچہ حضرت حاطبؓ کی یہ غلطی انہیں معاف کر دی گئی۔

اب آنحضرت ﷺ کی قیادت میں اسلامی لشکر مکہ کو روانہ ہوا۔ یہ دس یا گیارہ رمضان المبارک 8 ہجری کا دن تھا۔ دس ہزار صحابہ کے جلو میں نکلنے والا یہ لشکر اس سے پہلے کے تمام اسلامی لشکروں سے منفرد اور نرالی شان کا حامل تھا۔ اس میں قبیلہ بنوسلیم کے ایک ہزار سپاہی، بنومزینہ کے ایک ہزار، بنوغفار کے چار سو اور بنو اسلم کے چار سو جنگجو شامل تھے۔ ان کے علاوہ کچھ بنواسد، بنوتمیم اور دیگر قبائل کے لوگ تھے اور باقی مہاجرین اور انصار تھے۔ صحابہ کا یہ لشکر جرار برق رفتاری سے سفر کرتا ہوا جب وادی مرالظہران میں جو مکہ سے صرف چار میل کے فاصلہ پر ہے، شام کے وقت خیمہ زن ہوا تو پہلی بار چرواہوں کے ذریعہ اس کی خبر اہلِ مکہ کو پہنچی۔ تاہم انہیں ابھی تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ اتنا بڑا کون سا لشکر ہے جو مکہ کے اس قدر قریب پہنچ چکا ہے اور انہیں اس کی کانوں کان خبر نہیں۔ کیونکہ اگرچہ ابوسفیان ابھی چند دن پہلے مدینہ سے واپس مکہ لوٹا تھا مگر اسے مسلمانوں کی جنگی تیاریوں کی قطعاً کوئی خبر نہ ہوئی، کیونکہ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے، آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے مطابق یہ سب کچھ صیغہ راز میں رکھا جا رہا تھا۔ لہٰذا اہلِ مکہ حیران تھے کہ یہ لشکر کون سا ہو سکتا ہے۔ ادھر آنحضرت ﷺ نے اہلِ مکہ کو مرعوب کرنے کے لئے یہ تدبیر فرمائی کہ سارے لشکر کو ایک ایک ہزار کے دستوں میں تقسیم کر کے اسے سارے میدان میں پھیلا دیا اور آگ روشن کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

حضرت عباسؓ (رسولِ کریم ﷺ کے چچا) اس دوران مسلمان ہو کر کسی نہ کسی طرح لشکرِ اسلام کے ساتھ آ ملے تھے۔ وہ آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر اور آپ ﷺ کے خچر دلدل نامی پر سوار ہو کر اس غرض سے جانبِ مکہ روانہ ہوئے کہ اگر کوئی مکہ کا سردار مل جائے تو اسے آنے والے خطرہ سے آگاہ کر کے اہلِ مکہ کو مسلمان ہونے کی ترغیب دیں۔ کیونکہ اگرچہ وہ اپنے سابقہ اعمال کی پاداش میں سب کے سب واجب القتل تھے، تاہم ان کے لیے سلامتی کی اب یہی ایک راہ رہ گئی تھی۔ حسنِ اتفاق سے حضرت عباس کو مکہ کا رئیسِ اعظم ابوسفیان مل گیا جو اس غرض سے اس طرف آ رہا تھا کہ پتہ لگائے کہ یہ لشکرِ جرار کہاں سے اور کس غرض سے آیا ہے۔ ابوسفیان دور دور تک روشن ہونے والی آگ کو دیکھ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس لشکر کے بارے میں قیاس آرائی کر رہا تھا کہ حضرت عباس نے اس کی آواز پہچان کر دُور سے آواز دی۔ کیا ابوحنظلہ ہے؟ (ابوحنظلہ، ابوسفیان کی کنیت تھی) ابوسفیان نے بھی حضرت عباس کی آواز پہچان لی اور بولا: ''عباس! جانتے ہو یہ لشکر کیسا اور کہاں سے آیا ہے؟'' حضرت عباسؓ نے جواب دیا: ''ابوسفیان! یہ آنحضرت ﷺ کی فوج ظفر موج ہے۔ اگر خیریت چاہتے ہو تو میرے پیچھے سوار ہو جاؤ اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو جاؤ ورنہ صبح ہوتے ہی یہ لشکر مکہ پر حملہ کر دے گا''۔ ابوسفیان جو پہلے ہی حواس باختہ ہو چکا تھا، فوراً حضرت عباسؓ کے پیچھے خچر پر سوار ہو گیا۔ ابھی دونوں لشکر کے اندر گھسے ہی تھے کہ حضرت عمرؓ نے ابوسفیان کو دیکھتے ہی کہا: ''یہ دشمنِ رسول جاتا ہے، یہ زندہ نہ جانے پائے۔'' اور تلوار لے کر پیچھے بھاگے مگر حضرت عباسؓ خچر کو تیزی سے دوڑاتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ آپؐ نے ابوسفیان کو دیکھا تو فرمایا: ''اے ابوسفیان! کیا اب بھی تو نہیں سمجھا کہ خدا کے سوا کوئی اور معبود نہیں'' اور پھر حضرت عباسؓ سے فرمایا: ''آج رات اسے اپنے پاس رکھو اور صبح میرے پاس لانا۔''

لشکرِ اسلام نے رات گزاری اور صبح مکہ پر حملے کی تیاریاں کرنے لگا۔ ادھر مکہ کا رئیسِ اعظم اب مسلمانوں کے قبضے میں تھا۔ وہ دشمنِ رسول، جس نے ابوجہل کے بعد سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کو پہنچایا، اس قابل تھا کہ آج اس کے قتل کا حکم دیا جاتا اور اگر کوئی اور ہوتا تو فی الواقعہ اس کا سر قلم کر کے مکہ والوں کو بھجوا دیتا۔ مگر یہاں رسولِ خدا ﷺ تھے جو بدلہ لینے کے لئے نہیں، بلکہ مجسم رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے اور آپؐ کی رحمت اس دشمنِ رسول ﷺ کو بخشنے کا بہانہ تلاش کر رہی تھی۔ چنانچہ علی الصبح جب ابوسفیان کو آپ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو اسے اختیار دیا گیا کہ چاہے تو کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کر لے اور چاہے تو اپنے جرموں کی پاداش میں موت قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ ابوسفیان، جس کے دماغ پر ابھی تک جہالت اور تکبر کا بھوت سوار تھا، کچھ پس وپیش کرنے لگا تو حضرت عباسؓ نے جلدی سے اسے گردن سے پکڑ کر آنحضرت ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا اور کہا کہ پڑھ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰہ، ورنہ دیکھ وہ عمر تیری گردن اڑانے کے لیے آ رہا ہے۔ ابوسفیان نے جب یہ سنا تو جھٹ کلمہ پڑھ دیا اور اس طرح جان کی امان پا گیا۔

ابوسفیان کے یوں مسلمان ہو جانے پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابھی اسلامی لشکر حرکت میں آنے والا ہے۔ ابوسفیان کو دامنِ کوہ میں کسی ایسی جگہ بٹھا دو جہاں سے اسے سارا لشکرِ اسلام مارچ کرتا ہوا نظر آ جائے تا کہ اس پر اسلام کی قوت اور شان وشوکت ظاہر ہو جائے۔ حضرت عباس نے ایسا ہی کیا۔ ابوسفیان جوں جوں اس لشکرِ جرار کو دیکھتا جاتا تھا، مرعوب ہوتا جاتا تھا، حتی کہ اسے یقین ہو گیا کہ اب اہلِ مکہ کو کوئی نہیں بچا سکتا۔ ان کی خیر اسی میں ہے کہ وہ اب دل وجان سے اسلام قبول کر کے رسولِ خدا ﷺ کہ کنارِ عافیت میں آ جائیں۔ چنانچہ اس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اجازت چاہی کہ وہ مکہ میں اپنی قوم کے پاس جائے اور انہیں آنے والے خطرہ سے آگاہ کرے۔ اس پر حضرت عباس نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ: ''یا رسول اللہ ﷺ! ابوسفیان مکہ کے رؤساء میں سے ہے، اسے کوئی ایسا امتیازی نشان دیا جائے، جس سے وہ دوسروں سے ممتاز سمجھا جائے''۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ: ''اچھا آج جو شخص ابوسفیان کے مکان میں پناہ لے گا، اسے امان دی جائے گی''۔ ابوسفیان کے لئے یہ اعزاز آج ہر دوسری چیز کے مقابلے میں بہت زیادہ تھا، کیونکہ اہلِ مکہ جو اپنی خونی اور ظلم وستم سے آلودہ کارروائیوں کے سبب واجب القتل ہو چکے تھے، ان کے لئے آج ابوسفیان کا گھر پناہ کا قلعہ بنا دیا گیا تھا، مگر حضرت عباسؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! ابوسفیان کا گھر تو چھوٹا سا ہے، اس میں کتنے لوگ سما سکیں گے؟'' تو آپؐ نے فرمایا:

"اچھا جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں پناہ لے لے گا، اسے بھی کچھ نہیں کہا جائے گا"۔ حکیم بن حزام آنحضرت ﷺ کے بچپن کے دوست تھے اور بہت دیر بعد اسلام لائے۔ آپؐ کے دعویٰ نبوت کے بعد جب آپؐ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لا چکے تھے تو حکیم بن حزام شام میں تجارت کی غرض سے گئے۔ وہاں انہوں نے ایک نہایت اعلیٰ قسم کا کوٹ دیکھا۔ انہیں وہ اتنا پسند آیا کہ آنحضرت ﷺ کو تحفہ دینے کی نیت سے خرید لیا۔ چنانچہ مکہ پہنچ کر وہ صرف یہ تحفہ دینے کی غرض سے مدینہ آئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر وہ کوٹ پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا: "تمہاری اس دوستی کی میرے دل میں بہت قدر ہے، لیکن میں نے عہد کیا ہوا ہے کہ میں کسی مشرک کا تحفہ نہیں لوں گا، تم اگر چاہو تو میں یہ کوٹ قیمتاً لینے کے لئے تیار ہوں۔ حکیم بن حزام کو صدمہ تو بہت ہوا مگر وہ کوٹ واپس بھی نہیں لے جانا چاہتے تھے۔ چنانچہ چاروناچار انہوں نے اس کی قیمت قبول کر لی۔ آنحضرت ﷺ نے اس دوستی کا حق فتح مکہ کے موقع پر ان کی حوصلہ افزائی کر کے نبھایا۔ اس پر حضرت عباس نے دوبارہ عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! وہ گھر بھی تو اتنا بڑا نہیں"۔ جس پر آپؐ نے فرمایا: "اچھا جو شخص خانہ کعبہ کے اندر داخل ہو جائے گا، اس کی بھی جان بخشی کر دی جائے گی۔ جو شخص اپنے گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھ جائے گا اور مقابلہ کے لیے تلوار نہیں اٹھائے گا، اس سے بھی درگزر کیا جائے گا"۔ پھر آپؐ نے کچھ خیال کر کے فرمایا: "اچھا کوئی کپڑا لاؤ"۔ جب کپڑا لایا گیا تو آپؐ نے اس کا جھنڈا بنا کر حضرت بلال کے منہ بولے بھائی ابورویحہ کو دیا اور فرمایا: "یہ بلال کا جھنڈا ہے، جو شخص بھی اس جھنڈے کے نیچے آکر کھڑا ہو جائے گا، اس کو بھی جان کی امان دی جائے گی"۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ بلال کا جھنڈا بنانا اور تجویز کرنا اور اسے اہلِ مکہ کی پناہ گاہ قرار دینا آنحضرت ﷺ کے کمالِ حکمت پر دلالت کرتا تھا۔ آپؐ کو اس امر کا احساس تھا کہ بلال پر صرف کلمہ شہادت پڑھنے پر بے پناہ مظالم توڑے گئے۔ آپؐ کو خیال آیا کہ آج جب کہ اہلِ مکہ کی عام معافی کا اعلان کیا جا رہا ہے، تو بلال کیا کہتا ہوگا۔ وہ زبان سے تو نہیں، البتہ زبانِ حال سے ضرور کہتا ہوگا کہ آج محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کو تو معاف کر دیا ہے، مگر میرے بدن پر برسنے والے کوڑوں کا بدلہ کون لے گا۔ میری چھاتی کے اوپر توڑے جانے والے زخم کون بھرے گا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بلال کے جھنڈے کو قریشِ مکہ کی جانوں کی امان قرار دے کر ایک طرف حضرت بلال کے زخمی دل پر اپنی شفقت اور رحمت کا پھاہا رکھا اور دوسری طرف مکہ والوں کو یہ احساس دلا کر شرمسار کیا کہ دیکھو وہی شخص جو چند سال قبل تمہارے لئے اتنا بے حقیقت تھا کہ تم اس کے سینے پر چڑھ کر ناچا کرتے تھے، آج خدا اور اس کے رسول ﷺ نے اسے وہ عزت بخشی ہے کہ تمہاری جانوں کی سلامتی کو اس کی ذات کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔

ادھر ابوسفیان اسلام قبول کر لینے اور اپنی ذات کے لئے رسولِ خدا ﷺ کی خوشنودی اور اپنے لوگوں کے لئے عام معافی کا پروانہ لینے کے بعد وہ جونہی واپس ہوا تو اہالیانِ مکہ، جو لشکر کے بارے میں خبر سننے کے لیے بے تاب بیٹھے تھے، اس کے اردگرد جمع ہو گئے۔ ابوسفیان پہلے سیدھا خانہ کعبہ میں گیا اور پھر با آوازِ بلند بولا کہ اے اہلِ قریش! محمد ﷺ اپنے لشکر کے ساتھ آن پہنچے ہیں۔ اچھی طرح سن لو کہ آج صرف اسی شخص کو امان ملے گی جو میرے گھر کی چار دیواری میں داخل ہو جائے گا، پھر اسے ملے گی جو حکیم بن حزام کے گھر پناہ لے گا اور اسی طرح دوسری پناہ گاہوں کا اعلان کرنے لگا۔ ابھی وہ اس قسم کی باتیں کر ہی رہا تھا کہ ہندہ اس کی بیوی، ایک بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹ پڑی اور اس کی داڑھی پکڑ کر کہنے لگی: "اے آلِ غالب! اس بڈھے کا دماغ چل گیا ہے، اسے قتل کر دو"۔ ابوسفیان نے یہ سنا تو ہندہ کا ہاتھ جھٹک کر بولا: "اے عورت خدا کی قسم! آج تُو نے اسلام قبول نہ کیا تو تیری بھی خیر نہیں۔ تُو ضرور قتل ہوگی"۔ ہندہ کا یہ سننا تھا کہ اس کے ہوش اڑ گئے۔ اس کی ساری شوخی جاتی رہی اور وہ مارے خوف کے کانپنے لگی۔

ادھر اہلِ مکہ نے جب یہ ساری باتیں سنیں تو ان کے اندر سخت خوف و ہراس پھیل گیا۔ ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ ان کے مظالم انہیں یاد آ رہے تھے اور وہ سمجھ رہے تھے کہ آج ان کی خیر نہیں۔ ابھی وہ اس حیرت و استعجاب اور سراسیمگی کی حالت سے سنبھلنے نہ پائے تھے کہ انہوں نے اسلامی لشکر کو مکہ کی جانب تیزی سے بڑھتے ہوئے دیکھا۔ یہ دیکھتے ہی وہ بدحواس ہو کر ادھر ادھر بھاگنے لگے اور ان پناہ گاہوں کو تلاش کرنے لگے جن کا اعلان وہ ابوسفیان کی زبانی سن چکے تھے۔ کوئی حرمِ کعبہ کی طرف بھاگ رہا تھا، تو کوئی ابوسفیان کے گھر کی طرف دوڑ رہا تھا، کسی کو حکیم بن حزام کے گھر کی تلاش تھی تو کوئی بلال کے جھنڈے کو دیکھنے اور اس کے نیچے پناہ لینے کے لیے بے قرار نظر آنے لگا۔ غرض افراتفری کا ایسا عالم تھا کہ کسی دوسرے کی ہوش نہ رہی۔ ہر ایک اپنی جان بچانے کی فکر میں تھا اور ہر ایک اپنے ظلموں کو یاد کر کے اس خوف میں غلطان و پریشان تھا کہ کہیں اس کے لیے بھی قتل کا حکم صادر نہ ہو چکا ہو۔

اس اثنا میں لشکرِ اسلام بھی مکہ میں داخل ہو چکا تھا۔ مقدمۃ الجیش میں حضرت عبیدہ بن الجراح تھے۔ میمنہ میں حضرت خالد بن ولید اور میسرہ میں حضرت زبیر بن العوام اپنے اپنے دستوں کی کمان کر رہے تھے۔ قلبِ لشکر میں آنحضرت ﷺ کبار صحابہ کے جلو میں سیاہ عمامہ پہنے ایک عظیم فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ آج اگر کوئی دنیوی بادشاہ ہوتا تو فتح مندی اور خودسری کے احساس سے اس کی گردن اکڑی ہوتی اور وہ جس طرف دیکھتا کشتوں کے پشتے لگ جاتے۔ مگر رحمتِ مجسم کا یہ عالم تھا کہ آپؐ اپنی سواری پر سوار جا رہے تھے اور آپؐ کا سر تشکر اور امتنان کے جذبات سے لبریز آستانۂ خداوندی کے سامنے سجدہ ریز تھا۔ آپؐ کا یہ حال تھا کہ مجسم انکسار بنے آگے بڑھ رہے تھے اور دوسری طرف آپؐ نے ہدایت دے رکھی تھی کہ جب تک کوئی سامنے سے تلوار نہ اٹھائے کسی پر تلوار نہ اٹھائی جائے۔ آپؐ نے مزید احتیاط کی خاطر حضرت زبیر بن العوامؓ کو مکہ کے نشیبی حصہ کی طرف سے اور حضرت خالد بن ولید کو اس کی بالائی جانب سے داخل ہونے کی ہدایت فرمائی۔ مقصد یہ تھا کہ شہر کے چاروں طرف امن و امان کی ضمانت مل جائے اور عملاً ایسا ہی ظہور میں آیا، سوائے اس کے کہ جس طرف سے حضرت خالد بن ولید داخل ہوئے، وہاں مکہ کے بعض شوریدہ فطرت نوجوان اپنے سرداروں عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو کے ساتھ مل کر مقابلہ کے لیے کھڑے تھے۔ حضرت خالد بن ولید پہلے تو حملہ کرنے سے رکے رہے، لیکن جب ان کفار نے مسلمان لشکر پر تیر برسانے شروع کر دیے تو حضرت خالد بن ولید نے بھی اپنے لشکر کو مقابلہ کا حکم دے دیا۔ بس پھر کیا تھا دونوں جانب سے فنِ سپاہ گری اور بہادری کا مظاہرہ ہوا اور کچھ دیر تک اچھی خاصی معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ مگر آخر قریش مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کے چوبیس آدمی قتل ہو چکے تھے۔ ادھر سے

تین صحابہ شہید ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپؐ نے فرمایا: ''قضاالٰہی اسی طرح تھی''۔

آنحضرت ﷺ اسلامی فوج کا باقی حصہ لے کر سیدھے حرم کعبہ میں تشریف لائے اور بیت اللہ کے دروازے پر پہنچ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ آپؐ کی اقتداء میں صحابہ کے لشکر نے زور سے اللہ اکبر کہا۔ یہ نظارہ دیکھنے والا تھا۔ وہ مسلمان جو آج سے آٹھ سال قبل حرم کعبہ میں قدم رکھنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے، آج وہ اس جگہ پہنچ کر اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کر رہے تھے کہ تمام مکہ گونج اٹھا۔ آنحضرت ﷺ نے حرم کعبہ میں پہنچتے ہی پہلے بیت اللہ کا طواف فرمایا۔ پھر کعبہ کے متولّی عثمان بن طلحہ سے چابی لے کر خانہ خدا کو بتوں کی آلائش سے پاک کرنا شروع کیا۔ آپؐ چھڑی سے بتوں کو گراتے اور ساتھ ساتھ یہ قرآنی آیت پڑھتے جا رہے تھے: قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا۔ (سورۃ بنی اسرائیل: 28)

اس کے بعد آپ ﷺ مقامِ ابراہیم پر تشریف لے گئے اور وہاں دو رکعت نفل نماز ادا فرمائی۔

خانہ کعبہ اب بتوں سے ہمیشہ کے لیے پاک وصاف ہو چکا تھا۔ وہی بت جو قریش کا سب سے بڑا سرمایہ حیات تھے اور جن کی محبت اور عقیدت میں وہ اس قدر غرق تھے کہ وہ سب کچھ سننے کے لیے تیار تھے مگر ان کی مذمّت گوارا نہ کر سکتے تھے، آج ان کا یہ حال تھا کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مٹی میں لت پت ہو رہے تھے۔ کسی کا سر نہیں تھا تو کسی کا دھڑ غائب تھا۔ غرض کجا یہ کہ ان سے حاجات مانگی جاتی تھیں، ان پر چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے اور ان کے آگے منّتیں مانی جاتی تھیں اور کجا ان کا یہ حال ہو چکا تھا کہ صحابہ انہیں اپنے پاؤں تلے روندتے جا رہے تھے اور کفار کی مجال نہ تھی کہ اُف بھی کر سکیں۔ روایت میں آتا ہے کہ جب آپؐ نے اپنی لاٹھی سے سب سے بڑے بت 'ھبل' کو گرایا تو ایک صحابی نے ابوسفیان سے کہا کہ: ''ابوسفیان! یہ وہی 'ھبل' ہے نا، جس کا نعرہ تم نے احد کی جنگ میں بلند کیا تھا اور کہا تھا 'اُعْلُ هُبَل!' (یعنی ھبل زندہ باد)۔ آج دیکھتے ہو اس کی کیا حالت ہوئی پڑی ہے''۔ ابوسفیان کھسیانا ہو کر بولا: ''اب جانے بھی دو یہ باتیں۔ اگر محمد ﷺ کے خدا کے سوا کوئی اَور خدا ہوتا تو آج جو ہم حالت دیکھ رہے ہیں، وہ کبھی نہ ہوتی۔''

اس مہم سے فارغ ہو کر آنحضرت ﷺ بیت اللہ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور خطبہ پڑھا۔ یہ خطبہ کیا تھا۔ ایک درسِ توحید تھا۔ حرمتِ کعبہ اور وحدت نسلِ انسانی کے مضامین پر مشتمل ایک تاریخ ساز اعلان تھا۔ اور جب دس ہزار صحابہ ہمہ تن گوش ہو کر کھڑے آپؐ کا خطبہ سن رہے تھے، دوسری طرف ان کے سامنے سردارانِ قریش سر جھکائے کھڑے تھے۔ یہ ایک دیکھنے والا منظر تھا۔ ان سرداران قریش میں وہ بھی تھے جو کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ان میں قاتل بھی تھے۔ ان میں مفسد اور جلاد بھی تھے اور ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے نہتے اور بے بس مسلمانوں پر ظلم وستم کی برچھیاں برسائی تھیں۔ وہ بھی تھے جنہوں نے عورتوں کی شرمگاہوں میں نیزے مار کر انہیں شہید کر دیا تھا اور وہ بھی تھے جنہوں نے بے کس اور بے بس مسلمانوں کو جلتے کوئلوں پر لٹا کر اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کی تھی۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ دربارِ نبوی سے ان کے لیے کیا حکم صادر ہوتا ہے۔ لیکن خطبہ سے فارغ ہو کر اس رحمتِ مجسم نے ان سردارانِ قریش سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''اے قریش! اب تم ہی بتاؤ کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔''

اس کے جواب میں قریش کے منہ سے نکلا تو صرف یہ جملہ نکلا کہ ہم آپؐ سے بھلائی کی توقع رکھتے ہیں کیونکہ آپؐ ہمارے بزرگ بھائی اور بزرگ بھائی کے بیٹے ہیں۔ آپؐ نے یہ جواب سن کر فرمایا: ''اچھا! تو میں بھی تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ لاتثریب علیکم الیوم آج کے دن تم پر کوئی گرفت نہیں۔ پھر فرمایا: ''اذهبوا فانتم الطلقاء۔ جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو''۔ کفار کا یہ سننا تھا کہ مارے خوشی کے ان کی باچھیں کھل گئیں اور ان کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے اور ہر طرف سے مرحباً مرحباً کی صدا بلند ہونے لگی۔

اخلاقِ محمدی کا یہ نمونہ ایسا نہیں تھا جو دلوں پر اثر نہ کرتا۔ چنانچہ اس نے بالفعل جادو کا سا کام کیا۔ برسوں کے بغض اور کینے ایک دم سے زائل ہو گئے۔ دلوں کی کدورتیں اور عداوتیں آن کی آن میں دور ہو گئیں اور اب ان کی جگہ محبت اور عقیدت کے سوتے پھوٹ پڑے۔ خدا کا وہ رسول جس کے لئے چند ہی لمحے بیشتر ان کی تلواروں سے خون ٹپک رہا تھا، اب ان کے جسم کا ذرہ ذرہ اس کے لیے نثار ہو رہا تھا۔ ان کی زبانوں سے بے ساختہ لَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰه مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ اسی اثنا میں ظہر کا وقت آن پہنچا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال کو ارشاد فرمایا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دو۔ کیا کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ کتنا سوز ہوگا ان کلماتِ شہادت میں جو اس حبشی غلام نے اس وقت بلند کئے اور اس فضا میں بلند کئے جس کے اندر چند سال قبل وہی کلمات دہرانے کی پاداش میں اس کی ننگی پیٹھ پر کوڑے برسائے گئے تھے۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ صفا پہاڑی پر تشریف لے گئے اور ایک بلند جگہ پر بیٹھ کر آپؐ نے پہلے مردوں کی بیعت لی اور پھر عورتوں کی۔ یہ ایک عجیب نظارہ تھا جو دنیا نے اسلام سے باہر اور کہیں نہیں دیکھا تھا یعنی ایک قوم کی قوم بھیانک جرموں کا ارتکاب کرتی ہے۔ بادشاہِ وقت اس جرم کی سزا دینے کے لیے ان پر فوج کشی کرتا ہے اور اپنی قوت اور طاقت کے بل پر ان پر غلبہ پا لیتا ہے اور جب سزا کا وقت آتا ہے تو وہ ان کی جھولیاں زر و جواہر سے بھر دیتا ہے اور انہیں اپنی رحمت اور شفقت سے نوازتا ہے۔ کیا اس سے بڑا محسنِ انسانیت کبھی دنیا میں پیدا ہوا ہوگا؟ ہرگز نہیں۔

بیعت کے ضمن میں ایک واقعہ کا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ وہ یہ کہ جب آپؐ عورتوں کی بیعت لے رہے تھے تو ابوسفیان کی بیوی ہندہ جس کے بارے میں قتل کا حکم صادر ہو چکا تھا۔ یہ ان سات اشخاص میں سے ایک تھی، جو آنحضور ﷺ کی عام معافی کے اعلان سے مستثنیٰ کیے گئے تھے اور جن کے متعلق پہلے سے اعلان کیا جا چکا تھا کہ وہ جہاں ملیں، قتل کئے جائیں۔ وہ بھی چھپتی چھپاتی عورتوں میں جا کر بیٹھ گئی اور بیعت میں شامل ہو گئی۔ جب آنحضرت ﷺ بیعت کے کلمات دہراتے ہوئے ان الفاظ پر پہنچے کہ اقرار کرو، ہم شرک نہیں کریں گی، تو ہندہ اپنی جوشیلی طبیعت کی وجہ سے فوراً بول اٹھی کہ: ''یارسول اللہ ﷺ! کیا اب بھی ہم شرک کریں گی۔ آپؐ اکیلے تھے اور ہم ایک قوم تھے۔ سارا عرب ہمارے ساتھ تھا۔ مگر آپؐ اکیلے ہو کر جیت گئے اور ہم ہار گئے۔ ہمارا جتھہ، ہماری طاقت اور ہمارے بت ہمارے کسی کام نہ آئے اور آپؐ کا ایک خدا ہم سب پر غالب آ گیا۔ اتنا بڑا نشان دیکھنے کے بعد کیا اب بھی ہم خدا کے سوا کسی اور کو معبود تسلیم کریں گے!۔'' جب آنحضرت ﷺ نے ہندہ کی آواز سنی تو پہچان گئے۔ فرمایا: ''ہندہ ہو؟'' وہ بولی:

''ہاں یارسول اللہ! لیکن اب تو میں مسلمان ہو چکی ہوں اور خدا تعالیٰ کی حفاظت میں آ گئی ہوں۔اب آپ مجھے کچھ نہیں کہہ سکتے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہندہ! تم ٹھیک کہہ رہی ہو''۔اور اس کو معاف فرما دیا۔

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے، آنحضرت ﷺ کی طرف سے جاری ہونے والے عام معافی کے اعلان سے سات ایسے اشخاص کو مستثنیٰ کیا گیا تھا، جنہوں نے خاص جرائم کا ارتکاب کیا تھا مگر آپؐ کی شانِ رحیمی اور جذبہ عفو ودرگزر دیکھیے کہ ان کو بھی ان کے اپنے یا کسی عزیز کی طرف سے معافی مانگنے پر معاف کر دیا گیا۔ نہ صرف معاف کیا گیا بلکہ ان کی خاص رنگ میں دلجوئی بھی فرمائی گئی، ان میں سے سب سے اول، قابلِ ذکر عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ ہیں۔ یہ دونوں مکہ کے بڑے رؤساء میں شمار ہوتے تھے اور یہ وہ تھے جو کہ عین اس دن جب کہ لشکرِ اسلام مکہ میں داخل ہو رہا تھا، مسلمانوں کی پناہ میں آنے کی بجائے ان سے جنگ پر آمادہ ہو گئے تھے جس کے نتیجے میں تین صحابہ شہید ہو گئے، بلکہ بنوخزاعہ پر حملے اور معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کے بھی یہی دونوں رؤساء مرتکب ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کے لیے حکم صادر ہو چکا تھا کہ جہاں بھی پائے جائیں قتل کر دیے جائیں۔

اب ان کی معافی کا حال بھی سننے سے تعلق رکھتا ہے۔مکہ فتح ہو جانے پر عکرمہ اپنی جان بچا کر حبشہ کی طرف بھاگ نکلا۔اس کی بیوی کو جب یہ پتہ چلا (اس کی بیوی فتح مکہ سے بھی پہلے پوشیدہ طور پر مسلمان ہو چکی تھی) تو وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی کہ ''یارسول......! عکرمہ تو حبشہ کی طرف بھاگ گیا ہے اور اس طرح سے اگر اسے ہدایت ملنی ہے تب بھی نہیں ملے گی اور وہ اپنے آپ کو برباد کر لے گا۔اگر آپؐ اسے معاف فرما دیں تو ہو سکتا ہے وہ میرے پاس رہے اور ہدایت پا جائے۔'' آپؐ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے۔اگر وہ واپس آ جائے تو ہم اسے کچھ نہیں کہیں گے۔'' اس پر عکرمہ کی بیوی بہت خوش ہوئی اور اس کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔جب وہ ساحلِ سمندر پر پہنچی تو اسے معلوم ہوا کہ عکرمہ حبشہ کی طرف جانے والی کشتی میں سوار ہوتے ہوتے رہ گیا ہے۔اس کے دوسرے ساتھی سوار ہو کر چلے گئے تھے۔عکرمہ نے بیوی کو دیکھا تو بہت متعجب ہوا اور پوچھنے لگا: ''تم یہاں کیسے آئی ہو؟'' وہ بولی: ''میں تیرے پیچھے ماری ماری پھر رہی ہوں اور کہاں آئی ہوں۔کیا یہ بہتر نہیں کہ تو غیر عرب کی غلامی میں رہنے کی بجائے اپنے ہی ملک میں رہتے ہوئے عرب بھائیوں کی غلامی اختیار کر لے۔'' عکرمہ کہنے لگا: ''لیکن میرے لئے تو قتل کا حکم جاری ہو چکا ہے۔'' اس کی بیوی نے کہا: ''میں تیرے لیے آنحضرت ﷺ سے معافی کا پروانہ لے کر آئی ہوں۔'' عکرمہ حیران ہو کر بولا: ''مگر میں نے تو مسلمانوں کا اس قدر خون بہایا ہے، مجھے معافی کیسے مل سکتی ہے۔'' بیوی نے کہا: ''اگر تجھے یقین نہیں آتا تو چل کر خود دیکھ لے۔'' عکرمہ کو پھر بھی یقین نہ آیا مگر آخر بیوی کے اصرار کرنے اور اس کے بار بار یقین دلانے پر وہ اس کے ساتھ ہو لیا۔مکہ پہنچ کر وہ سیدھا آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: ''میری بیوی کہتی ہے کہ آپؐ نے میری قتل کی سزا واپس لے لی ہے۔کیا یہ درست ہے؟''۔آپؐ نے فرمایا: ''ہاں درست ہے۔''

عکرمہ نے کہا: ''کیا اگر میں اپنے مذہب پر ہی رہوں، پھر بھی قابلِ معافی سمجھا جاؤں گا'' آپؐ نے فرمایا: ''ہاں۔بے شک، تم اپنے مذہب پر ہی رہو۔''

یہ سنتے ہی عکرمہ نے کلمہ پڑھ دیا اور کہنے لگا: ''یارسول......! میں آپؐ پر ایمان لاتا ہوں، کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ ایک قاتل اور پرلے درجہ کے دشمنِ اسلام شخص کو غیر مشروط معافی سوائے خدا تعالیٰ کے نبی کے اور کوئی نہیں دے سکتا۔''

آنحضرت ﷺ بھی عکرمہ کے ایمان لانے پر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے: ''عکرمہ! تم جو کچھ مانگنا چاہتے ہو، مانگ لو۔'' مگر عکرمہ، جو اب دل وجان سے آپؐ پر فدا ہو چکا تھا، بولا: ''یارسول اللہ ﷺ! مجھے دنیا میں اب کسی چیز کی حاجت نہیں رہی۔آپؐ میرے لیے خدا تعالیٰ سے صرف یہ دعا کریں کہ وہ میری خطائیں معاف فرما دے۔''

دوسرا شخص یعنی صفوان بن امیہ تھا جسے اپنے چچازاد بھائی عمیر بن وھب کے واسطہ سے معافی کی درخواست کرنے پر قتل کی سزا سے معاف کیا گیا۔آنحضرت ﷺ نے اس کے لئے اتنی شفقت فرمائی کہ اس کے لئے اپنا عمامہ بھجوایا۔

تیسرا شخص جس کے قتل کا حکم صادر کیا گیا تھا، کعب بن زھیرۃ تھا۔یہ ایک بڑے شاعر کا بیٹا تھا اور خود بھی بڑا اچھا شاعر تھا۔یہ شام کی طرف بھاگا اور وہاں جا کر پناہ لی۔وہاں دھکے کھا رہا تھا کہ اسے لوگوں نے کہا: ''تو اپنے محسن کو چھوڑ کر یہاں کیوں اپنی زندگی خراب کر رہا ہے، جا کر معافی مانگ لے۔'' اس نے جواب دیا: ''میں کس طرح معافی مانگوں، میرے لیے تو یہ حکم جاری ہوا ہے کہ جہاں بھی پایا جاؤں، قتل کر دیا جاؤں۔'' انہوں نے اسے مشورہ دیا کہ تم ذہین آدمی ہو۔بھیس بدل کر کسی نہ کسی طرح مدینہ پہنچ جاؤ۔کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آنحضرت ﷺ پہلے بھی دوسرے واجب القتل لوگوں کو معاف فرما چکے ہیں، اس لیے انہوں نے مشورہ دیا کہ بھیس بدل کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔اس نے ایسا ہی کیا اور جاتے ہی عرض کیا کہ: ''یارسول اللہ ﷺ! میں آپؐ کی خدمت میں کچھ شعر لکھ کر لایا ہوں۔اجازت ہو تو سناؤں۔''

آپؐ نے اجازت مرحمت فرمائی تو اس نے آنحضرت ﷺ کی مدح میں جو شعر کہے اُن میں یہ بھی تھے کہ:

''آپؐ جود وسخا کا سمندر ہیں۔لوگ مجھے کہتے تھے کہ اے ابنِ کلثوم! تو اپنے آپ کو شیر کی غار میں ڈال رہا ہے، مگر میں نے انہیں کہا۔جانے بھی دو، رسول اللہ تو معاف کرنے والے انسان ہیں......وغیرہ''۔

ابھی اس نے اتنے شعر کہے تھے کہ صحابہ یہ سمجھ گئے کہ یہ ان سات اشخاص میں سے ہے جن کے قتل کا حکم دیا گیا تھا، مگر سب آنحضرت ﷺ کے ادب کی وجہ سے خاموش رہے۔پھر اس نے یہ شعر پڑھا:

ان الرسول لسیف یستضاء بہٖ
مھند من سیوف اللہ مسلول

یعنی محمد رسول اللہ ﷺ ایک ہندی تلوار کی مانند ہیں اور اللہ کی تلواروں میں سے ایک ایسی تلوار ہیں جو بجائے کاٹنے کے روشنی عطا کرتی ہے۔

اس کے اس طرح سے اشعار پڑھنے کا وہی نتیجہ نکلا جس کی اس پیکرِ رحمت سے توقع کی جاتی تھی، یعنی آپ ﷺ نے نہ صرف اسے معاف فرمایا بلکہ اپنی چادر اتاری اور اس کے اوپر ڈال دی۔یہ تھی آپ ﷺ کی شانِ کریمی!

لیا ظلم کا عفو سے انتقام
علیک الصلوۃ علیک السلام

ہندہ، ابوسفیان، رئیسِ مکہ کی بیوی کے متعلق بتایا جا چکا ہے کہ وہ بھی ان سات

اشخاص میں سے ایک تھی جن کے قتل کا حکم جاری ہو چکا تھا۔مگر وہ عورتوں کی بیعت کے وقت ان کے اندر چھپ کر بیٹھ گئی اور کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ اور جب آنحضرت ﷺ کو اس کی موجودگی کا علم ہوا تو کس قدر جرأت سے اس نے کہا کہ ''یارسول اللہ ﷺ! اب تو میں اللہ کی پناہ میں آ گئی ہوں، اب آپؐ مجھے کچھ نہیں کہہ سکتے۔'' یہاں اگر کوئی دنیوی حاکم ہوتا تو ایسی مجرم اور قاتل عورت کے پتہ چل جانے پر اسے کہتا کہ اچھا تم اس طرح دھوکہ دے کر جان بچانا چاہتی ہو۔تم جاتی کہاں ہو اور پھر اپنے سپاہیوں کو حکم دیتا کہ پکڑو اس مکار عورت کو اور اس کا سرتن سے جدا کر دو۔ مگر یہاں تو خدا کا پیغمبر تھا جو سراسر پیکرِ رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا۔ وہ نہ صرف خود اعلیٰ اخلاق کا مالک تھا بلکہ دنیا کو حسنِ اخلاق کی تعلیم دینے آیا تھا۔ ہندہ کلمہ پڑھ چکی تھی اور یوں وہ خدا کی امان میں آ چکی تھی۔ چنانچہ اس مجسم رحمت نے اسے ہمیشہ کے لیے معاف فرما دیا۔اللھم صل علی محمد و علی آل محمد

ان چار اشخاص کی معافیاں تو تاریخ سے ثابت ہیں۔ البتہ دوسرے تین اشخاص کے متعلق بھی تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا کہ ان کو قتل کیا گیا ہو۔ غالب گمان یہی ہے کہ وہ ملکِ عرب چھوڑ کر کسی اور ملک میں چلے گئے ہوں گے اور گمنامی کی زندگی گزارنے کے بعد راہی ملک عدم ہو گئے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالثواب۔

صلح حدیبیہ کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی سیرت کے حوالہ سے بالآخر انسان یہ تسلیم کئے بنا نہیں رہ سکتا کہ اسلام کی یہ فلاسفی نہایت سچی اور حقیقت پر مشتمل ہے کہ الٰہی سلسلوں میں فتوحات کی پیدائش دراصل ابتلاؤں کی کوکھ سے ہی ہوتی ہے۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ انسان اطاعت کے دامن کو اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ صلح حدیبیہ جس کی شرائط جلیل القدر صحابہ کرام کیلئے بھی نہایت گراں تھیں اور اس موقعہ پر تمام مسلمان ایک شدید ابتلا میں گھرے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے ابتلاؤں سے گھرے ہوئے خوفناک و کربناک ماحول میں آنحضرت ﷺ کی اطاعت کو اپنا شعار بنایا تو نہایت ہی تھوڑے عرصہ میں دعوت اسلام کی برکت سے نہ صرف اردگرد کے بادشاہوں تک اسلام کا پیغام پہنچایا بلکہ پندرہ صد سے بڑھ کر دس ہزار کی تعداد میں وہ فاتحانہ شان کے ساتھ توحید کے مرکز خانہ کعبہ تک پہنچے اور اسلام کی محبت کی اور آنحضرت ﷺ کی رحمت کی تلوار لہرا کر وہاں کے تمام لوگوں کی گردنیں توحید کے پرچم تلے جھکا دیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی عظیم الشان سیرت صداقت اسلام کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

مائیکروچِپ میں ہسپتال

(ڈاکٹر محمد احمد۔ مانچسٹر)

ہمارے جسم کے لئے کونسی دوا مؤثر ترین ہے؟ اس سوال کا جدید ٹیکنالوجی نے حل 'مائیکروفزیالوجی' کے ذریعے پیش کیا ہے۔

دراصل انسانی جسم کئی اعضاء سے مل کر بنا ہے۔ بنیادی اعضاء میں دماغ، دل، پھیپھڑے، جگر، مثانہ، گردے، معدہ اور آنتیں وغیرہ شامل ہیں۔ ہر عضو کے خلیات دوسرے عضو سے مختلف ہوتے ہیں۔ جب کسی خاص عضو کے کینسر وغیرہ کی وجہ سے ناکارہ ہونے کا امکان ہو تو اُس عضو کے خلیات کو ایک ماچس سے بھی چھوٹی ڈبیہ میں اُگایا جا سکتا ہے۔ موزوں حالات میں بڑا ہوتا ہوا عضو 3D شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ایک ہی ڈبیہ میں کئی مائیکرو اعضاء اُگائے جا سکتے ہیں اور یہ ڈبیہ نما چپ مریض کی جیب میں بہ آسانی سما بھی سکتی ہے۔

انسانی اعضاء گو کہ مختلف کام کرتے ہیں لیکن وہ آپس میں اعصابی نظام کے ذریعے رابطے میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ لبلبہ جب انسولین اور اینزائم بناتا ہے تو یہ فیصلہ کہیں اَور ہوتا ہے کہ کس قدر گلوکوز استعمال کرنا ہے۔ اسی طرح جسم کی رگوں میں ہر وقت خون گردش کرتا ہے تاکہ ہر جگہ خوراک اور آکسیجن پہنچ سکے۔ لیکن ان کی مقدار کا تعین کوئی اَور کرتا ہے۔ یہی کیفیت ایک ڈبیہ میں اُگنے والے اعضاء کی ہوگی۔ یعنی وہ باہم رابطہ میں ہوں گے۔ چنانچہ ڈبیہ میں انسانی اعصابی نظام کا متبادل (3D پرنٹنگ ٹیکنالوجی کو استعمال کرتے ہوئے) ایک Circulatory System کرے گا جو مائیکرو پمپ اور باریک نالیوں کے ذریعے مائع خوراک کی سپلائی کو برقرار رکھے گا۔

ہمارا مشاہدہ ہے کہ قدرت کسی ایک عضو کو ایک ہی مرحلے میں مکمل نہیں کرتی۔ ہر عضو مرحلہ وار بنایا جاتا ہے تاکہ کسی بھی جگہ کام رُک جائے تو پچھلا کام ضائع نہ ہوجائے۔ مثلاً جگر بنانے کے لئے کئی قسم کے خلیات درکار ہیں۔ اہم ترین Hepatocytes خلیات ہیں جن کے ساتھ منسلک دوسری قسم کے خلیات ہیں جو جگر کی خرابی کی صورت میں حرکت میں آتے ہیں۔ باقی اقسام کے خُلیات مل کر ایک چھ کونوں والا (Hexagonal) یونٹ جنم دیتے ہیں جسے Lobules کہتے ہیں۔ یہ لوبیولز ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک بڑی چیز بناتے ہیں جسے جگر کہتے ہیں۔

تجربہ گاہ میں جگر کو پلاسٹک کی ایک Chip پر بنانے کے لئے فزکس کی ٹیکنالوجی Photolithography استعمال کر کے پہلے چھ کونوں والا ایک Lobules بنایا جاتا ہے۔ پھر دوسرے مرحلے میں لوبیولز کو ایک ہائیڈروجیل (Hydrogel) میں سمایا جاتا ہے۔ پھر ان Lobules کو تہ بہ تہ جوڑتے ہوئے چند ملی میٹر سائز کے چیمبر میں رکھا جاتا ہے۔ پھر روشنی اور ہائیڈروجیل کی مدد سے Lobules کی چھ کونوں والی تہیں چڑھائی جاتی ہیں۔ اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے یہاں تک کہ ایک چھوٹا سا مائیکرو جگر تیار ہو جاتا ہے جو اصل جگر سے کئی ہزار گُنا چھوٹا ہو سکتا ہے۔ لیکن اس امر کا خیال رکھا جاتا ہے کہ یہ مائیکرو پمپ کے بہاؤ کے ساتھ دیگر مائیکرو اعضاء کے ساتھ رابطے میں رہے تاکہ مختلف اعضاء باہم رابطے کے ذریعے جو پیغامات ایک دوسرے کو بھجواتے ہیں وہ اس کو ملتے رہیں۔

آج کل جس طرح مختلف بیماریوں کی تشخیص کے لئے خون وغیرہ کے ٹیسٹ کیے جاتے ہیں اُسی طرح مائیکرو اعضاء کے سسٹم میں چند سینسرز (Sensors) لگائے جاتے ہیں جن کے ذریعے فوری طور پر کسی بھی عضو میں خرابی پیدا ہونے سے آگاہی حاصل ہو سکتی ہے۔

سائنسدان کوشش کر رہے ہیں کہ دنیا میں موجود ہر فرد کا مائیکروفزیالوجیکل سسٹم تیار کر دیا جائے۔ تاکہ کسی بیماری کی صورت میں یہ سسٹم ہی مخصوص دوائی کا انتخاب کرنے میں مدد دے نیز اُس خاص جسم کی مخصوص امراض سے متعلق بروقت معلومات حاصل کر کے مرض کا تدارک کرنے میں بھی آسانی رہے۔

اصحابِ احمد رضوان اللہ علیہم کا جذبۂ دعوت وتبلیغ 6

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے صحابہ کی تبلیغی مساعی،قربانیوں اور میدانِ تبلیغ میں فتح ونصرت الٰہی کے ایمان افروز واقعات

(مرتّبہ: میر انجم پرویز۔ مبلغ سلسلہ)

انگریز افسران کو تبلیغ اور''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کی تاثیر

حضرت شیخ فضل احمد صاحبؓ بٹالوی اپنی ملازمت کے دوران ہمیشہ اپنے انگریز افسروں تک پیغام حق پہنچاتے رہے اور وہ آپ کی غیرمعمولی جرأتِ ایمانی، فرض شناسی اور حق گوئی سے بہت متاثر ہوتے تھے، بلکہ بعض خیالات کے لحاظ سے قریباً مسلمان ہوگئے تھے۔ مذہبی مخالفت کے باوجود آپ کی فوجی خدمات کے اعتراف کے طور پر آپ کو متعدد میڈل ملے۔ آپ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

دسمبر 1914ء میں مجھے جنگ پر اپنی کور کے ہمراہ بنوں اور میراں شاہ وغیرہ جانا پڑا۔مَیں نے کمانڈنگ افسر میجر وارڈل کو''اسلامی اصول کی فلاسفی'' (انگریزی) دی تو بعد مطالعہ انھوں نے کہا کہ یہ کتاب بہت عمدہ تالیف ہے۔مَیں چاہتا ہوں کہ اس کا اردو ترجمہ کردو تا کہ اپنی یونٹ کے عہدہ داروں میں اس کی نقول تقسیم کردوں۔ مجھ سے یہ معلوم کر کے کہ اصل کتاب اردو کی ہے، اس کی سینتیس (37) جلدیں سرکاری خرچ پر وی، پی منگوائیں۔ باوجودیکہ میں نے ان سے کہا کہ اس کی تقسیم سے فتنہ پیدا ہوگا اور غیراحمدی شکایت کریں گے کہ یہ احمدی بابو ان لوگوں کا مذہب تبدیل کرانا چاہتا ہے۔ افسر موصوف نے کہا ہم کچھ پروا نہیں کرتا۔ میں نے کہا کہ آپ برطانوی افسر ہیں۔ آپ کو تو کوئی نہیں پوچھے گا لیکن ساری بلا میرے گلے آپڑے گی، مگر وہ نہ مانے اور کہا کہ ہم حکم دیتے ہیں۔ میجر رسالدار راجہ راج ولی اور خاکسار بنوں پہنچے تو وہاں تمام غیراحمدی عہدہ داروں نے شکایت کی کہ بابو فضل احمد کافر ہے۔ہم اس کے ساتھ کام نہیں کرسکتے۔ یہ ہمارا مذہب خراب کررہا ہے۔اس کا تبادلہ کردیا جائے۔ رپورٹ پہنچنے پر راجہ موصوف ہنس کر مجھے کہنے لگے کہ اگر میں یہ رپورٹ صاحب تک پہنچاؤں تو ڈر ہے مبادا بے عزتی ہو، کیونکہ وہ آپ کے ہاتھ پر ہیں اور آپ جو کہیں گے وہ اسے درست سمجھیں گے۔ آپ بتلائیں کہ آپ اس شکایت کا کیا جواب دیتے ہیں؟ مَیں نے کہا کہ میں کہوں گا کہ صاحب! آپ دیکھیں کہ قرآن کریم عیسائیوں کو پکا کافر کہتا ہے۔ پس جب آپ بڑے کافر ہوئے اور آپ کے ساتھ ان لوگوں کا گزارہ ہوسکتا ہے تو میرے ساتھ کیوں نہیں ہوسکتا، حالانکہ میں بقول ان کے چھوٹا کافر ہوں۔ رسالدار صاحب سمجھ گئے اور وہ ان لوگوں کو کہنے ہی لگے تھے کہ شکایت نہ کرنا کہ اتنے میں سامنے سے افسر موصوف آگئے اور رسالدار نے INFALL کرادیا اور صاحب نے ہر ایک کو (اسلامی اصول کی فلاسفی کا) ایک ایک نسخہ دیا اور ہر ایک نے شکریہ ادا کیا اور سلام کیا اور کتاب لے لی۔اس کے بعد صاحب نے اس کتاب کی تعریف کی اور کہا کہ اسے پڑھا کرو۔ میری میم صاحب تو اس کتاب کی عاشق ہے۔

چند روز بعد صاحب موصوف کے تبادلہ پر ہم الوداع کہنے بنوں ریلوے سٹیشن پر گئے تو موصوفہ نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ میں آپ کی اس کتاب کو ساتھ لے جارہی ہوں۔ میں اس سے علیحدگی پسند نہیں کرتی۔ اور اس کی بہت تعریف کی۔ اس افسر کا یہ کہنا تھا کہ میرے دل پر اس کتاب کا ایسا اثر ہوتا ہے جیسے دہکتے ہوئے کوئلوں پر پانی گرنے سے ٹھس ٹھس کی آواز آتی ہے۔ ایسا ہی میرے دل کے شعلے اس سے ٹھنڈے ہوتے ہیں۔(اصحاب احمد جلد3)

انگریز حکام کو تبلیغ

محترم صلاح الدین ملک صاحب مؤلف اصحابِ احمد حضرت مولوی عبدالواحد خان صاحب کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے کہ آپ کو تبلیغ کا جوش عطا ہوا ہے۔1936ء میں خاکسار کو کوئٹہ کے احباب نے بتایا تھا کہ آپ انگریز حکام کو، جن سے آپ کو واسطہ پڑتا ہے، تبلیغ کرتے ہیں اور عندالملاقات آپ نے بتایا تھا کہ آپ ان کو تبلیغی لٹریچر دیتے ہیں۔ یہ میجر جنرل ہڈلسٹن، جس کے آپ وہاں مینجر تھے، ایک طویل مدت تک سوڈان میں وائسرائے رہ چکے تھے اور عربی خوب جانتے تھے۔ مولوی صاحب نے ان کی خدمت میں ٹیچنگز آف اسلام پیش کی، جسے انہوں نے تین دفعہ مطالعہ کیا اور مولوی صاحب کے دریافت کرنے پر کہ کیا کوئی اور کتاب دوں تو جنرل موصوف نے کہا کہ دیجیے لیکن اس سے بہتر کتاب آپ کے سلسلہ میں نہیں ہوگی۔

آپ کی تبلیغ اور تالیف قلوب کے ذریعہ آپ کے سسرال کے چالیس اکتالیس افراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلافتِ ثانیہ کے زمانہ میں احمدیت میں داخل ہوئے۔(اصحاب احمد جلد10)

ریلوے انسپکٹر سے تبلیغی گفتگو

حضرت بابو فقیر علی صاحبؓ اسٹیشن ماسٹر بیان کرتے ہیں کہ امرتسر کے ایک ریلوے انسپکٹر مسٹر لانگ مَین، جو انگریز یا اینگلو انڈین تھے، نے تبلیغی گفتگو میں مجھ سے کہا آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں؟ عیسائی؟ میں عیسائی نہیں۔مَیں نے ایک دفعہ دیکھا کہ قیامت آگئی ہے اور مَیں اور میری بیوی دونوں دوزانو ہوکر عیسیٰ مسیحؑ اپنے نجات دہندہ کو پکارنے لگے۔ اتنے میں آسمان سے ایک تخت اترا۔مَیں خوش ہوا کہ ہماری نجات کا سامان ہوگیا ہے، لیکن پردہ اٹھا کر کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اس دن سے میں صداقتِ اسلام کا قائل ہوچکا ہوں۔ آپ نے کہا تب تو آپ کو مسلمانوں کے ساتھ نمازیں پڑھنی چاہئیں۔ انسپکٹر موصوف نے جواب دیا یہ مسلمان ادنیٰ لوگ ہیں۔ آپ جیسا مسلمان ہو تو مَیں نماز میں شرکت کرسکتا ہوں۔ اس پر آپ نے انھیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصویر دکھائی اور پوچھا آیا خواب میں تخت والے نبی اس شکل کے تھے؟ تو اس نے حیرانی سے منہ پر انگلی رکھ لی اور کہا: نہ میں انکار کرتا ہوں، نہ میں اقرار کرتا ہوں۔(اصحاب احمد جلد3)

علاقہ سندھ میں کامیاب تبلیغ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ایک رؤیا کی بنا پر اپریل 1923ء میں علاقہ سندھ میں تبلیغی مشن قائم فرمایا اور حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بقاپوریؓ کو اس علاقہ کا امیر التبلیغ مقرر فرمایا اور اپنے ہاتھ پر بیعت لینے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ اس وقت سنجوگی قوم پر جو سندھ میں ایک لاکھ کے قریب ہے آریہ قوم نے ملکانوں کی طرح ارتداد کا جال پھیلا دیا تھا۔ مولانا صاحب محنت کر کے چند ماہ میں سندھی کی چند کتابیں پڑھ کر تقریر کرنے کے قابل ہو گئے اور اولاً سب علاقہ میں آریہ سماجیوں کا کامیابی سے مقابلہ کیا، جس جگہ یہ لوگ سادہ لوح سندھیوں کو ورغلا کر ارتداد پر آمادہ کرتے مولانا صاحب وہاں پہنچ کر انہیں اسلام پر پختہ کرتے۔ اس طرح شب و روز کی ایک لمبی جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ سات آٹھ ماہ میں ہی سنجوگی قوم سے آریہ سماج کو مایوس ہونا پڑا اور ارتداد کی یہ آگ سرد ہو گئی۔ دوسرے سال 1924ء میں علماء، فقراء اور امراء تینوں سے مقابلہ کرنا پڑا، جا بجا مباحثات شروع ہو گئے۔ مولانا تنہا ہوتے اور مقابل پر غیر احمدی علماء بعض اوقات درجن تک ہوتے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیشہ آپ ہی کو غلبہ ہوتا۔ نتیجۃً احمدیت کی طرف لوگوں کی توجہ بڑھتی گئی۔ مباحثات کا بھی عجیب رنگ تھا۔ جتنا بھی کوئی وقت لیتا آپ اسے دیتے اور جو سوال ہوتا، چاہے کیسا ہی غیر متعلق ہوتا، آپ ہمیشہ متانت سے اس کا تحقیقی جواب دیتے اور کوشش فرماتے کہ لوگ حقیقت کو سمجھ لیں۔ ابتدا میں سندھی پنجابیوں سے سخت نفرت رکھتے تھے، اس کے علاوہ آریہ سماجیوں کا پھیلایا ہوا زہر، علماء و فقراء کی مخالفت، ان سب سے عوام کا متاثر ہونا لازمی امر تھا۔ گالی گلوچ کا بازار تو ہر جگہ ہی گرم رہتا، بلکہ بعض جگہ قتل پر بھی آمادہ ہوتے، مگر آپ گالیوں کا جواب دینے کی بجائے تہجد میں ان کی ہدایت کے لیے دعائیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ 1926ء میں یہ عسر کی حالت قدرے دور ہوئی۔ سندھ میں بعض مقامات پر جماعتیں قائم ہو گئیں۔ لوگ باتیں سننے لگے۔ علماء پر خاص طور پر رعب پڑا بلکہ مولوی بقاپوری کا نام لے کر کہتے کہ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس سے بھی سعید روحیں متوجہ ہوئیں اور بہت سے افراد کو اللہ تعالیٰ نے قبولِ احمدیت کی توفیق عطا فرمائی۔ آپ 1928ء میں باوجود علالت کے مصروفِ تبلیغ رہے اور پچاس افراد جماعت میں داخل ہوئے۔ آپ جس وقت سندھ میں متعین ہوئے تھے اس وقت سندھی احمدیوں کی صرف ایک جماعت تھی، جو دو چار خاندانوں پر مشتمل تھی، لیکن حضرت مولانا صاحبؓ کی برکت سے قریباً پچاس جماعتیں قائم ہوئیں، جو سینکڑوں افراد پر مشتمل ہیں۔ آپ کلمۂ حق کہنے میں نڈر تھے۔ اب بہت سے لوگ احمدیت کے مصدق اور مداح بھی ہو گئے ہیں۔

حضرت مولانا صاحبؓ کو علم ہوا کہ لاڑکانہ کے قریب ایک شہر میں شدھی ہونے والی ہے تو آپ وہاں پہنچے اور مسلمان حافظ گوکل چند نامی کو، جو رئیس تھے، سمجھایا۔ کہنے لگے مولویوں نے ہماری مدد نہیں کی۔ اب ہندوؤں سے عہد ہو چکا ہے، پرسوں سارا شہر ہندو ہو جائے گا۔ مولوی صاحب کو کھانے کے لیے کہا گیا تو آپ نے کھانے سے انکار کیا اور کہا میں تمہاری روٹی ہرگز نہیں کھاؤں گا اور آپ زار زار رونے لگے۔ لوگ متأثر ہوئے اور کہا کہ کھانا کھالیں۔ پھر باتیں کریں گے، لیکن آپ نے انکار کیا اور آپ کے آنسو جاری تھے۔ رئیس نے کہا کہ عہد توڑنا جرم ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ ایمان سے بڑھ کر بھی کوئی چیز ہو سکتی ہے۔ یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے کہا کہ ہم ہرگز شدھ نہیں ہوں گے اور ہم خط بھجوا دیتے ہیں کہ وہ ہرگز نہ آئیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ آپ پہلے خط لکھیں، پھر میں کھانا کھاؤں گا۔ چنانچہ آپ نے خط میں لکھوایا کہ اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور ہم تمہیں بھی اس کے قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی اپنا مذہب نہیں چھوڑے گا اور اگر کسی نے دوبارہ آنے کی کوشش کی تو وہ بہت ذلیل ہوگا۔ اس کے بعد آپ نے کھانا کھایا اور چند دن قیام کر کے درس و تدریس کا کام جاری رکھا۔ آریہ بہت تلملائے اور وہاں دوبارہ نہیں آئے۔

اسی طرح ایک اور گاؤں کے مسلمانوں نے شدھی ہونے کا اقرار کر لیا تھا۔ آپ نے وہاں پہنچ کر ان کو بھی شدھ ہونے سے بچا لیا۔ (اصحاب احمد جلد 10)

حبشہ میں جماعتوں کا قیام

حضرت ڈاکٹر نذیر احمد صاحبؓ 1943ء میں عدن گئے اور تبلیغ کرتے رہے، پھر وہاں سے حبشہ جا کر تبلیغی جہاد شروع کر دیا۔ آپؓ بیان فرماتے ہیں:

"1945ء میں مَیں نے خواب دیکھا کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ حبشہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ وہاں چلے جاؤ، عدن کے پاس ہی تو ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور! میں ابھی جا رہا ہوں۔ خواب کی اطلاع دینے پر حضورؓ نے فرمایا: ٹھیک ہے، حبشہ چلے جاؤ۔ 1945ء میں وہاں پہنچا۔ باوجودیکہ سرکاری ملازمت میں وہاں کوئی ہندوستانی ڈاکٹر نہیں لیا جاتا تھا، مجھے لے لیا گیا، کیونکہ میں نے 1935ء کی جنگ میں میڈیکل خدمات سرانجام دی تھیں۔ مجھے نو سال تک مختلف ہسپتالوں میں کام کرنے کا موقع ملا۔ افسر بھی خوش تھے حتی کہ انھوں نے مجھے کئی ہزار روپیہ اپنے جیسے آٹھ ڈاکٹر ہندوستان سے بلوانے کے لیے دیا اور کہا کہ ہمیں کسی پر یقین نہیں، آپ پر اعتبار ہے۔...

ابی سینیا کے دارالحکومت کے علاوہ ہرر، دیری دوا اور اسباتفری وغیرہ شہروں میں احمدیہ جماعتیں قائم ہوئیں۔ دو امور احمدیت کی طرف متوجہ کرنے کا موجب ہوئے۔ ایک یہ کہ ایک مسلمان ڈاکٹر سے شفا حاصل ہوتی تھی۔ کسی مسلمان ڈاکٹر کو پہلے نہیں دیکھا گیا تھا۔ دوسرے میری عربی زبان میں تقاریر، مباحثات اور مقابلہ کی دعوت۔ میں ان کو کہتا تھا کہ اپنے علماء کو مقابلہ پر لاؤ، وہ اپنے عقائد قرآن مجید سے ثابت کریں، لیکن علماء بھاگتے تھے اور اپنے لوگوں کو کہتے تھے کہ ہم پبلک مباحثہ کرنے کو تیار نہیں۔ سب سے کاری ہتھیار جو وہاں کام آیا تھا بیماروں کا علاج معالجہ اور نیک سلوک، حضرت اقدسؑ کی کتابوں کا تقسیم کرنا اور ان لوگوں کو دعا کرنا کہ یا الٰہی! تو ہم پر احمدیت کے بارے میں انکشاف کر دے۔" (اصحاب احمد جلد 7)

ادیس ابابا، حبشہ میں تبلیغی جہاد

حضرت ڈاکٹر نذیر احمد صاحبؓ بیان کرتے ہیں:

"اگست 1935ء کی بات ہے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مجھے حبشہ میں جا کر کام کرنے کے لیے فرمایا اور فرمایا کہ وہاں اطالیہ اور حبشہ میں جنگ شروع ہے۔ آپ نے ملٹری میں ڈاکٹر کا کام کیا ہے، حبشہ میں ڈاکٹروں کی ضرورت ہوگی، وہ آپ کو کام پر لگا لیں گے۔

1936ء میں اطالیہ نے حبشہ کو شکست دے دی۔ شہنشاہ حبشہ، جو بہت دلیری

سے بنفس نفیس میدان جنگ میں موجود رہتا تھا، زخمی بھی ہوا۔ اب وہ از سر نو فتح کر نے کا عزم لے کر یورپ میں پناہ گزیں ہوا اور بعد میں پھر فاتح ہوا۔ اطالوی فتح حبشہ کے بعد مَیں نصف سال تک ''ادیس ابابا'' میں مقیم رہا تا کہ جن لوگوں نے آغازِ اسلام میں مسلمانوں کو اپنے ملک میں پناہ دی تھی ان کو امن و سلامتی کا پیغام پہنچاؤں۔ چنانچہ میں مساجد میں جاتا اور پیغام پہنچاتا۔ ایک روز جامع مسجد میں مَیں نے بزبان عربی ظہورِ مہدی کے متعلق قرآن مجید اور احادیث کا ذکر کے خوشخبری دی، لوگ دشمن ہوگئے اور مجھے وہاں سے مار کر نکال دیا۔ اس کا اچھا نتیجہ نکلا اور بعض لوگ میرے ساتھ ہوگئے۔

ان دنوں ازہر یونیورسٹی کے ایک فاضل اجل، جو مصر کے علمائے کبار میں سے تھے، ان کا نام شیخ محمد بدیوی تھا اور وہ جامعہ اسلامیہ ''ادیس ابابا'' کے پرنسپل تھے... وہ مجھے اپنے گھر لے گئے اور خواہش کی کہ ان کے ہاں روزانہ جا کر تبادلۂ خیالات کروں۔ انہوں نے احمدی مبشرین کی بعض تصانیف مطالعہ کی ہوں گی۔ وہ مجھ سے احمدی نقطۂ نگاہ کے مطابق تفسیر بعض آیات کی معلوم کرتے۔ میں کہتا کہ اَنْتَ یَا شَیْخُ عَرَبِیٌّ وَاَنَا اَعْجَمِیٌّ، لَا یَسْتَوِیَانِ۔ (شیخ صاحب! آپ عربی ہیں اور میں اعجمی، دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔) تو وہ جواب دیتے: اَنْتُمُ الْقَادِیَانِیُّوْنَ تُفَسِّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَحْسَنَ مِنْ تَفَاسِیْرِنَا (کہ آپ قادیانی لوگ قرآن کریم کی تفسیر ہماری تفاسیر سے بہتر کرتے ہو۔) وہ میری بیان کردہ تفسیر سے خوش ہوتے اور تسلی پاتے۔ کتب حضرت مسیح موعودؑ پڑھ کر انہوں نے عبدالحمید ابراہیم مصری احمدی کو، جو ابھی احمدی نہ تھے اور پہلے ازہر یونیورسٹی کے طالب علم رہ چکے تھے اور اب ''ادیس ابابا'' میں تاجر تھے، یہ کتب دیں تو مؤخر الذکر نے مطالعہ کر کے کہا کہ ان میں کوئی بات خلافِ شرع نہیں۔ نہایت اعلیٰ عربی اور معارف قرآن مجید ہیں۔ میری تحریک پر شیخ محمد بدیوی نے استخارہ کیا اور خواب دیکھا کہ حضرت رسول کریم ﷺ مع حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان کے گھر تشریف لائے ہیں اور حضرت مسیح موعودؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: هٰذَا نَبِیٌّ فِی الْاِسْلَامِ۔ هٰذَا نَبِیٌّ فِی الْاِسْلَامِ (کہ یہ اسلام میں نبی ہیں، یہ اسلام میں نبی ہیں۔) چنانچہ ان کے سب شکوک رفع ہوگئے اور انہوں نے بیعت کر لی۔ السید عبدالحمید ابراہیم موصوف احمدیت کے قائل ہوگئے تھے، مگر وہ خرطوم چلے گئے اور وہاں سے انہوں نے اخویم چودھری محمد شریف صاحب مبشر بلادِ اسلامیہ (مقیم فلسطین) سے خط و کتابت کر کے بیعت کر لی۔ (اصحاب احمد جلد 7)

عدن میں تبلیغ

حضرت ڈاکٹر نذیر احمد صاحبؓ بیان کرتے ہیں:

''1943ء میں مَیں عدن گیا اور عدن پروٹیکٹوریٹ (protectorate) میں بطور میڈیکل آفیسر متعین ہوا۔ دورے بھی کرتا اور تبلیغ بھی کرتا اور سلسلہ کی کتابیں تقسیم کرتا۔ بارسوخ افراد نے اس بارہ میں گورنر سے شکایت کی اور مجھے سرکاری ملازمت سے نکلوانے کا مطالبہ کیا کہ نوجوانوں کے احمدیت میں داخل ہونے کا وہ خطرہ محسوس کرتے ہیں، حتیٰ کہ جمعہ کے روز خطیب نے خطبے میں میرا ذکر کر کے کافر قرار دیا۔

عدن کی مسجد زعفران نامی میں مغرب کی نماز پڑھ رہا تھا کہ میرے پیچھے کئی سو عرب اور سمالی لاٹھیاں لیے جمع ہوگئے تا کہ مجھے قتل کر دیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا۔ عبداللہ شبوطی عدنی، جو بعد میں احمدی ہوگئے، ان کے بھائی سلطان شبوطی میرے ہسپتال میں کمپونڈر تھے۔

جہاں جہاں بھی میں نے تبلیغ کی ہے لوگوں کو خوابوں کے ذریعے صداقت احمدیت کا انکشاف ہوا ہے۔ میں نے ایک عربی عالم کو کتاب الاستفتاء دی اور تبلیغ کر کے ایک بیمار کو دیکھنے چلا گیا۔ واپس آیا تو وہ سو کر اُٹھا اور کہنے لگا کہ اَلْآنَ رَأَیْتُ مِرْزَا غُلَام اَحْمَد عَلَیْهِ السَّلَامُ جَاءَ عِنْدِیْ وَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُاللّٰهِ کہ ابھی ابھی حضرت اقدسؑ کو خواب میں دیکھا کہ تشریف لائے ہیں اور السلام علیکم فرمایا۔ اسی طرح ایک دوست علاء الدین کیلانی شامی نے خواب میں دیکھا اور وہ احمدی ہوگئے۔'' (اصحاب احمد جلد 7)

مجمع میں تبلیغ

حضرت ڈاکٹر نذیر احمد صاحبؓ بیان کرتے ہیں:

اسمارا اطالوی قبضے کے وقت اریٹریا کا دارالحکومت تھا۔ 1946ء میں برطانوی فوج کے چالیس ہزار کے مجمع میں میلاد النبیؐ کے دن میں نے انگریزی میں تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ بے شک اتحادیوں کو فتح ہوگئی ہے جو خوشی کا موجب ہے، لیکن حقیقی امن ''وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ......الخ'' قرآن مجید کے اصول پر عمل پیرا ہونے سے ہی ہوسکتا ہے ورنہ پھر جنگ ہوگی۔ لوگوں نے میری تقریر کو پسند کر کے مجھ سے ہاتھ ملائے اور مجھے مبارک باد دی۔ اس مجمع میں اطالوی، انگریز، حبش مسلمان سب موجود تھے۔ (اصحاب احمد جلد 7)

شاہ حبشہ کو تبلیغ اور لٹریچر کی بکثرت تقسیم

حضرت ڈاکٹر نذیر احمد صاحبؓ حبشہ میں اپنی تبلیغی مساعی کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

شہنشاہ ابی سینیا سے تین مختلف مواقع پر ملاقات ہوئی اور ان کو ان کے محل میں اسلام اور ظہور مسیح موعودؑ کا پیغام پہنچانے کا موقع ملا۔ نیز حبشہ میں اسلام کی تاریخ اور احمدیت کے نفوذ کے متعلق بھی حالات گوش گزار کیے اور کتاب ''احمدیت یا حقیقی اسلام'' (انگریزی) پیش کی۔

عربی لٹریچر کافی سے زیادہ مجھے اخویم چودھری محمد شریف صاحب فاضل فلسطین سے بھجوا دیتے تھے۔ علاوہ ازیں قادیان، ربوہ، شام سے اور حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب سکندرآباد دکن سے میں لٹریچر قیمت پر منگوا کر بکثرت تقسیم کرتا تھا۔ (اصحاب احمد جلد 7)

شاہ اردن کو تبلیغ

حضرت ڈاکٹر نذیر احمد صاحبؓ بیان کرتے ہیں:

''میں اپنے طور پر مصر، شام اور فلسطین گیا اور ہر جگہ پیغام حق پہنچانے کی توفیق ارزاں ہوئی... ایک دفعہ میں اور اخویم مولوی محمد سلیم صاحب (سابق مبلغ بلادِ اسلامیہ) دریائے اردن کے کنارے جہاں شاہ اردن امیر عبد اللہ کے سیر و تفریح کے لیے خیمے لگے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ کھڑے ہو کر ہم نے فوٹو کھنچوائی۔ انہوں نے ہماری دعوت کی اور ہم نے انہیں احمدیت کے متعلق لٹریچر پیش کیا۔ (اصحابِ احمد جلد 7)

ایران میں تبلیغ

ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تحریک فرمائی کہ احمدی احباب غیر ممالک میں تبلیغِ اسلام کے لیے نکل جائیں۔ اس تحریک پر لبیک کہتے ہوئے حضرت بابو فقیر علی صاحبؓ اسٹیشن ماسٹر 1937ء میں تبلیغ کا فریضہ سرانجام دینے کی خاطر اپنے خرچ پر ملک ایران تشریف لے گئے۔ آپؓ نے وہاں کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دن طہران میں ایک مجلس میں مَیں تبلیغ کر رہا تھا اور میں نے جب یہ بات بیان کی کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام ہی امت محمدیہ کے مسیح موعود اور مہدی معہود ہیں اور مَیں نے آپؑ کو خود دیکھا ہے تو مجلس سے ایک آدمی اٹھا اور میرے قریب آ کر اس نے پوچھا'' آغا! آن مسیح موعود و مہدی شاخود دیدی؟'' (جناب! کیا اس مسیح موعود اور مہدی کو آپ نے خود دیکھا ہے؟) تو میں نے جواب دیا'' خود دیدم'' (ہاں، خود دیکھا ہے)۔ تو پھر اس ایرانی شخص نے میری آنکھوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا۔ کیا آپ نے اپنی ان آنکھوں سے مسیح موعود کو دیکھا ہے؟ تو وہ شخص محبت اور عشق سے میرے کندھوں کو چومنے لگا۔'' (اصحاب احمد جلد3)

انگلستان میں تبلیغ

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے برصغیر کے طول و عرض میں اعلائے کلمۃ اللہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پیغام پہنچانے کے لیے ہزاروں میل کا سفر کیا اور ہزار ہا لوگوں کو احمدیت کا پیغام انتہائی مؤثر اور دلکش رنگ میں پیش کیا۔

پھر 10/مارچ 1917ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حکم پر تبلیغ کے لیے انگلستان روانہ ہوئے۔ آپ کے سینہ میں تبلیغ کا اس قدر جوش اور جذبہ تھا کہ دورانِ سفر بھی آپ نے مسافروں کو خوب تبلیغ کی جس کے نتیجہ میں کئی افراد سلسلۂ احمدیت میں داخل ہوئے۔ مثلاً آپ کے جہاز پر سوار ہونے کے چوتھے دن ایک انگریز مسلمان ہو گیا جس کا نام داؤد رکھا گیا۔ 26 مارچ کو مزید دو اشخاص سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ لندن پہنچ کر حضرت مفتی صاحبؓ کی تبلیغ سے جو پہلا شخص سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوا اس کا نام (Sparrow) تھا، پھر ایک اور شخص نے آپؓ کے ذریعہ بیعت کی جس کا نام (Bird) تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس کشف کو بھی ایک رنگ میں پورا فرمایا جس میں آپؑ نے دیکھا کہ'' لندن میں میں نے بہت سے سفید پرندے پکڑے ہیں۔''

(حضرت مفتی محمد صادق صاحب، تالیف ساجد محمود بٹر صاحب)

امریکی قید میں تبلیغ

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں فرمایا:

'' 1920ء میں جب حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ بطور مبلغ امریکہ تشریف لائے تو یہاں فلاڈلفیا کی بندرگاہ پر اترے تھے لیکن آپ کو ملک میں داخل نہیں ہونے دیا گیا۔ اس کی اجازت نہیں ملی اس وقت۔ اور ان کو ایک گھر میں قید کر دیا گیا۔ وہاں اور بھی قیدی تھے۔ آپ کی تبلیغ سے دو مہینے میں پندرہ قیدیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ تبلیغ کے ساتھ ساتھ ان کا عملی نمونہ بھی تھا، ان کا تقویٰ بھی تھا، ان کی دعائیں بھی تھیں۔ پس تبلیغ کے ساتھ یہ بھی ایک ضروری چیز ہے۔ اور پھر آپ کے قیام کے دوران یہاں پانچ چھ ہزار کہا جاتا ہے کہ احمدی ہوئے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اس وقت یہ فرمایا تھا کہ اگر یہی بیعتوں کی تعداد ہو تو چند دہائیوں میں لاکھوں تک یہ تعداد پہنچ سکتی ہے۔'' (خطبہ جمعہ 19 اکتوبر 2018ء)

نائیجیریا میں امام مہدیؑ کا مرید پہنچے گا

مغربی افریقہ کے سب سے پہلے مبلغ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیر ایک روز نائیجیریا کے دارالحکومت لیگوس میں غیر احمدیوں کی مرکزی مسجد میں تشریف لے گئے۔ یہ 1921ء کی بات ہے۔ حاضرین مجلس میں سے ایک نے کہا کہ مسجد کے ایک سابق امام'' الفا ایانمو'' صاحب نے اپنی وفات سے قبل اپنا یہ خواب ہمیں سنایا تھا کہ انہوں نے ایک بار خواب میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کی زیارت کی اور انہوں نے اسے بتایا کہ وہ خود تو اس ملک میں نہ آ سکیں گے مگر اس کا ایک مرید یہاں پہنچ کر مسلمانوں کی ہدایت کا موجب بنے گا۔ مسجد میں موجود سب حاضرین نے یک زبان ہو کر اس بات کی تصدیق کی۔

حضرت مولانا عبدالرحیم نیرؓ جنہیں حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے صحابہ میں شمولیت کا شرف حاصل ہے، فرماتے ہیں کہ یہ بات سن کر اور اپنی خوش بختی کا تصور کر کے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس واقعہ سے اگلے روز مسجد کے دو نمائندے آپ کے پاس آئے اور یہ پیغام لائے کہ ان کی ساری جماعت احمدیت میں داخل ہونا چاہتی ہے۔ آپ نے اس فرقہ کے چیف امام اور چالیس نمائندگان کو بلوا بھیجا کہ وہ سب کی طرف سے بطور نمائندہ بیعت کریں۔ چنانچہ اس طرح اس فرقہ کے سارے افراد نے، جن کی تعداد دس ہزار تھی، بیک وقت بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شمولیت اختیار کی۔ (رسالہ تحریک جدید ربوہ جولائی 1973ء بحوالہ تبلیغی میدان میں تائید الٰہی کے ایمان افروز واقعات، از مولانا عطاء المجیب راشد صاحب امام مسجد فضل لندن)

فرقہ شاذلیہ کے رئیس کو حضرت مسیح موعودؑ کا عربی خط

ملک شام فرانس کے زیر تسلط تھا۔ فرنچ گورنمنٹ نے حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحبؓ کو شام سے چلے جانے کا حکم دیا۔ آپ نے بذریعہ تار حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے بغداد جانے کی اجازت طلب کی۔ حضور نے مولانا کو ہدایت فرمائی کہ آپ حیفا (فلسطین) چلے جائیں۔ حضرت مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

'' ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہوتی ہے۔ حیفا کے قریب عکا (فلسطین) میں فرقہ شاذلیہ کے رئیس'' شیخ ابراہیم'' کو کافی عرصہ پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عربی خط موصول ہوا تھا۔ وہ صوفی مشرب انسان تھے۔ انہوں نے اپنے مریدوں کو کہا تھا کہ یہ خط محفوظ رکھو، تمہیں حیفا سے امام مہدی کا پیغام ملے گا۔ مولانا شمس صاحبؓ کے حیفا آنے پر جب احمدیت کی آواز لوگوں کے کانوں تک پہنچی تو ان میں سے بہت سے نیک دل لوگوں کو احمدیت قبول کرنے کی توفیق مل گئی۔ حیفا پہنچتے ہی اللہ تعالیٰ نے مولانا شمس صاحب کو اچھے ساتھی اور مخلص رفیق عطا فرما دیے اور احمدیت کا پودا ان ممالک میں قائم ہو گیا'' (ماہنامہ الفرقان، جنوری 1968ء، بحوالہ حیات شمس صفحہ 239)

(باقی آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں)

چند انصار مرحومین کا ذکر خیر

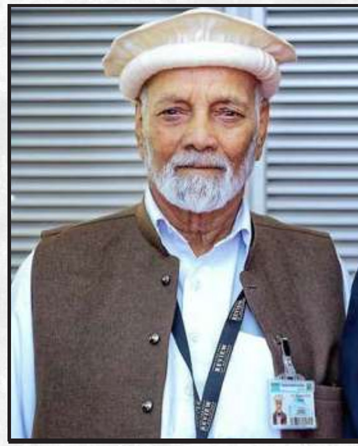
(مرتبہ: ناصر محمود پاشا)

زعماء مجالس سے درخواست ہے کہ اگر اُن کی مجلس کے کوئی دوست بقضائے الٰہی وفات پا جائیں تو اُن کی خدمات کے حوالے سے، بغرض تحریکِ دعا، مختصر مضمون برائے اشاعت ارسال کیا کریں۔

مکرم رانا نعیم الدین صاحب

مکرم رانا نعیم الدین صاحب ابن مکرم فیروز دین منشی صاحب کی وفات 9/اپریل 2020ء کو ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 17/اپریل میں آپ کا ذکر خیر فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا کہ مکرم رانا صاحب بڑے عرصے سے بیمار تھے۔ مختلف عوارض سے کئی دفعہ ہسپتال جاتے تھے۔ ڈاکٹر کہتے تھے اب آخری وقت ہے پھر اللہ تعالیٰ فضل فرما دیتا تھا، تو ٹھیک ہو کے آ جاتے تھے اور جب بھی ٹھیک ہوتے تھے، چلنے کے قابل ہوتے تھے تو یہاں مسجد میں بھی آ جایا کرتے تھے۔ بہرحال ان کی یہ آخری بیماری جان لیوا ثابت ہوئی اور ان کی وفات ہوئی۔



مکرم رانا صاحب کی پیدائش قریباً 1932ء کی ہے۔ ان کے والد محترم فیروز دین صاحب نے 1906ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بذریعہ خط بیعت کی تھی۔ پاکستان بننے کے بعد مکرم رانا صاحب پہلے لاہور میں ہی رہے۔ پھر 1948ء میں ربوہ آ گئے اور اپنے آپ کو فرقان بٹالین کے لیے پیش کیا۔ فرقان بٹالین کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپ کو میرپور خاص کے قریب زمینوں پر بھجوا دیا جہاں یہ چند سال رہے۔ نظامِ وصیت میں 1951ء میں شامل ہوئے۔ عملہ حفاظتِ خاص میں آپ کا تقرر 3/اگست 1954ء کو ریزرو آن ڈیوٹی کے طور پر ہوا اور اس کے بعد پھر نومبر 1955ء سے 11/مئی 1959ء تک عملہ حفاظتِ خاص میں بطور گارڈ رہے۔ 1978ء میں عملہ حفاظت سے فارغ ہو کر ہڑپہ ضلع ساہیوال چلے گئے اور بعد ازاں ساہیوال مسجد میں بطور خادم مسجد خدمت کرتے رہے۔ اس دوران اکتوبر 1984ء میں احمدیہ مسجد ساہیوال پر جب مخالفین نے حملہ کیا تو یہ وہاں حفاظتی ڈیوٹی پر مامور تھے اور انہوں نے اس کا جواب دیا تو ان کے ساتھ کُل گیارہ افراد کے خلاف مقدمہ درج ہوا اور اس طرح آپ کو اکتوبر 1984ء سے مارچ 1994ء تک اسیر راہ مولیٰ رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

حضور انور ایدہ اللہ نے ساہیوال کیس کا تفصیل سے ذکر کیا کہ کس طرح ضیاء الحق نے فوجی عدالت سے احمدیوں کے خلاف ظالمانہ فیصلے کروائے۔ اور بعد میں سپیشل ملٹری کورٹ نے الیاس منیر صاحب مربی سلسلہ اور رانا نعیم الدین صاحب کو موت کی سزا سنا دی اور دیگر پانچ ملزمان تھے ان کو پچیس پچیس سال قید کی سزا سنا دی گئی۔ اس فیصلہ کے خلاف اپیل پر لاہور ہائی کورٹ نے رہائی کا حکم دیا اور کاغذات کی تکمیل پر 19/مارچ 1994ء کو ان کی رہائی عمل میں آئی اور اس طرح ان کو ساڑھے نو سال راہِ مولیٰ میں اسیری برداشت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ دوران اسیری پولیس کی طرف سے خاص طور پر تشدد کیا جاتا رہا اور ان سے بیان لینے کی کوشش کی جاتی تھی کہ چونکہ تم اپنے خلیفہ کے باڈی گارڈ رہے ہو اس لیے انہوں نے تمہیں یہ کام کرنے کے لیے بھیجا ہے کہ اس طرح مسلمانوں کو مارو۔ رانا نعیم الدین صاحب اس مقدمے سے رہائی کے بعد 1994ء میں لندن شفٹ ہو گئے اور یہاں بھی اپنی عمر کے لحاظ سے بہت بڑھ کے عملہ حفاظت میں اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتے رہے۔ 2010ء میں ان کو پہلے بڑی بیٹی کی وفات اور پھر چند دن بعد اہلیہ کی وفات کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔

مرحوم نے پسماندگان میں ایک بیٹا اور چار بیٹیاں یادگار چھوڑی ہیں۔ ان کے بیٹے رانا وسیم احمد واقفِ زندگی ہیں اور پرائیویٹ سیکرٹری یوکے کے دفتر میں کام کر رہے ہیں۔ ان کے بیٹے لکھتے ہیں کہ ہمارے والد نے ہمیں ہمیشہ یہی سبق دیا کہ خلافت سے چمٹے رہنا اور سب کچھ خلافت سے وابستہ ہے۔ خود بھی خلافت کے شیدائی تھے اور کہتے تھے مَیں ڈیوٹی پر جاتا ہوں تو خلیفہ وقت کو دیکھتا ہوں تو جوان ہو جاتا ہوں۔ میری صحت کا راز بھی یہی ہے کہ مَیں اس عمر میں بھی ڈیوٹی پر آتا ہوں ورنہ مَیں تو چارپائی سے لگ جاؤں۔ وقت کے بہت پابند تھے۔ ہمیشہ ڈیوٹی کے لیے دو تین گھنٹے پہلے تیار رہتے تھے۔ اگر مَیں کہتا کہ ابو جان ابھی تو ٹائم بہت ہے تو کہتے کیا ہوا گھر بیٹھ کر کیا کرنا ہے۔

وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اکثر ان کی مالش کیا کرتا تھا۔ ایک دن مَیں ان کی ٹانگوں کی مالش کر رہا تھا۔ ان کے گھٹنے کے پاس آیا تو ان کی ہلکی سی آواز نکلی۔ مَیں نے پوچھا کیا ہوا تو کہنے لگے کچھ نہیں۔ بہرحال وہ کہتے ہیں مَیں نے ذرا اصرار کیا تو کہنے لگے کہ یہ جیل کی چوٹوں کی درد ہے۔ ہمیشہ صبر اور تحمل کا مظاہرہ کیا۔ اور جیل میں جب مارا جاتا ہے تو پاکستانی جیلوں میں بڑے ظالمانہ طریقے سے مارا جاتا ہے۔ بہرحال یہ سب کچھ انہوں نے برداشت کیا اور باہر آ کے بھی ان کا صبر کا معیار بہت بلند تھا۔ کبھی طبیعت خراب ہوتی تو کسی کو نہیں بتاتے تھے بلکہ اکثر یہی کہتے تھے کہ الحمدللہ مَیں ٹھیک ہوں۔

ان کا خلافت کی اطاعت کا معیار کیا تھا؟ کہتے ہیں ایک دفعہ مَیں والد صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اکثر مَیں ان سے واقعات سنانے کے لیے کہتا۔ ایک دن کہنے لگے کہ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جابے نخلہ گئے تھے، جہاں وہ تفسیر لکھ رہے تھے تو مَیں ان کے ساتھ تھا جیسا کہ مَیں نے پہلے بتایا کہ وہ وہاں رہے ہیں تو کسی بات پر وہ مجھ سے خفا ہو گئے۔ حضرت خلیفہ ثانیؓ رانا نعیم الدین صاحب سے خفا ہو گئے اور مجھے فرمایا کہ تم مسجد میں چلے جاؤ اور جا کے استغفار کرو۔ کہتے ہیں کہ مَیں مسجد میں چلا گیا۔ جابے میں چھوٹی سی کچی مسجد ہوتی تھی۔ کچا صحن ہوتا تھا۔ مسجد کے صحن میں بیٹھ کر استغفار کرنے لگ گیا۔ اتنے میں تیز آندھی آئی اور بارش شروع ہو گئی مگر مَیں اپنی جگہ پر بیٹھا استغفار کرتا رہا۔ جب کافی دیر ہو گئی اور مسجد کا ایک سائبان جو لگایا ہوا تھا وہ بھی اڑ گیا تو حضورؓ نے، خلیفہ ثانیؓ نے فرمایا کہ نعیم کدھر گیا ہے۔ کچھ لوگ مجھے ڈھونڈتے ہوئے مسجد میں آئے اور کہا کہ تمہیں حضورؓ بلا رہے ہیں۔ جب مَیں حضور خلیفہ ثانیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت خلیفہ ثانیؓ نے فرمایا کہ مجھے پتا تھا کہ تم ادھر ہی بیٹھے ہو گے۔ جاؤ مَیں نے تمہیں معاف کیا۔ پھر جب خلیفہ ثانیؓ نے تفسیر لکھنی شروع کی تھی اس وقت بھی ان کو حضورؓ کے پاس رہ کر خدمت کا موقع ملا اور اپنی اس خدمت پر بڑی خوشی کا اظہار کرتے تھے۔ اور یہ ان کی عادت تھی کہ اپنی خوشی تو ہر ایک سے شیئر کرتے تھے مگر غم کبھی کسی کو نہیں بتاتے تھے۔

ان کے بیٹے کہتے ہیں کہ میرا وقف قبول ہوا تو مجھے ایک دن کہنے لگے کہ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ ہمیشہ توبہ استغفار کرتے ہوئے اپنے وقف کو نبھانا۔ کبھی کوئی دکھ بھی دے تو

چپ کر جانا نہ کہ بحث کرنا اور تمام بات اللہ پر چھوڑ دینا اور صبر کرنا اور صبر کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس طرح مجھے نصیحت کرتے تھے جیسے کہ دوست ہوں۔ چندے کی بے انتہا پابندی کرتے تھے۔ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو چندہ ادا کرتے اور اس کے بعد باقی خرچ کرتے تھے۔ ہمیشہ خاموشی سے بہت سے لوگوں کی مالی مدد کرتے تھے۔ کبھی کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا کرتے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے 1986ء میں مکرم رانا صاحب کو اپنے خط میں لکھا کہ ''آپ کے خلوص بھرے خطوط ملے۔ اعلیٰ ایمان کی جس مضبوط چٹان پر آپ کھڑے ہیں وہ قابلِ فخر ہے۔ اللہ والوں کو اعلیٰ مقام کے حاصل کرنے سے پہلے اس قسم کی دشوار گزار راہوں سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ آپ لوگوں کی سعادت پر رشک آتا ہے۔ درخت اپنے پھل سے جانا جاتا ہے۔ آپ لوگ ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے درخت کی سرسبز شاخیں اور شیریں پھل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرے گا۔ جماعت دعائیں کر رہی ہے میری دعائیں بھی آپ کے لیے ہیں۔ امید ہے آپ نے میری تازہ نظم بھی سن لی ہوگی۔ اس میں آپ اور آپ جیسے مخلصین کے لیے ہی چاہتوں کا پیغام اور سلام ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے مدد کرے اور دشمن کے پنجے سے نجات بخشے۔ اللہ آپ کے ساتھ ہو۔''

مکرم ناصر احمد سعید صاحب

محترم ناصر احمد سعید صاحب 5/اپریل کو بقضائے الٰہی وفات پا گئے تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 10/اپریل میں مرحوم کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے فرمایا کہ مرحوم 1951ء میں ڈسکہ ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں میں تاج دین صاحب کے گھر میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ پیدائشی احمدی تھے۔ مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ پھر 1973ء میں نظارت امور عامہ کے تحت بطور کارکن حفاظتِ خاص ان کا تقرر رہا۔ 1985ء میں لندن تبادلہ ہو گیا۔ اکتوبر 2010ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد بھی ڈیوٹی کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

حضور انور نے فرمایا کہ ناصر سعید صاحب بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ بڑی ایمانداری اور مستعدی کے ساتھ اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتے تھے۔ خلافتِ احمدیہ کے ساتھ ان کو بڑا سچا پیار کا تعلق تھا۔ ان کے پسماندگان میں ان کی اہلیہ، ایک بیٹا خالد سعید صاحب (رضا کار حفاظت خاص) اور آگے ان کے بچے ہیں۔

مرحوم کے ذکرِ خیر پر مشتمل بعض خطوط کے حوالے سے حضور انور نے بیان فرمایا کہ ناصر سعید صاحب کے والدین نے ان کو کہا کہ فوج میں بھرتی ہو جاؤ یا کوئی اَور نوکری کر لو تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر کوئی نوکری کرنی ہوئی تو جماعتی نوکری کروں گا ورنہ یہ چھوٹا سا زمیندارہ ہے یہی اپنا کام کرتا رہوں گا۔ اور اس کے بعد پھر یہ جماعت میں آ کر بھرتی ہو گئے۔ اپنے سب عزیز و اقارب سے نہایت پُرخلوص محبت کا سلوک رکھتے تھے اور بہت سے ضرورتمند اقرباء کی خاموشی سے امداد بھی کرتے رہتے۔

ان کے ساتھی کارکن بتاتے ہیں کہ ہمیشہ انہیں خلافت کا وفادار اور اطاعت شعار پایا اور ڈیوٹی کے معاملے میں ہمیشہ بڑے ایماندار تھے۔ ہمیشہ اپنی ڈیوٹی کے لیے وقت سے پہلے آ جایا کرتے تھے اور بصیغہ راز کوئی پیغام ہوتا تھا تو ہمیشہ اس کو راز رکھتے اور اپنے ساتھیوں کو بھی یہ تلقین کرتے کہ بصیغہ راز رکھنا چاہیے اور اپنے کسی ساتھی سے بھی کبھی اس کا ذکر نہیں کرتے تھے۔ انتہائی وفا شعار کارکن تھے۔ ان کی روح کا محور صرف اور صرف خلافتِ احمدیہ تھی۔ دنیاوی آلائشوں سے مبرا تھے۔ خدمت دین ہی ان کا نصب العین تھا۔ خدمت کرنے کے علاوہ ان کی اَور کوئی سوچ نہیں تھی۔ دلی خواہش رکھتے تھے کہ خلافت کے دَر پر جان نکلے اور اسی کو انہوں نے سچ کر دکھایا۔ مہمان نوازی میں بھی بڑے آگے بڑھے ہوئے تھے۔ اپنی مثال آپ تھے۔ ہر بڑے چھوٹے کی عزت کا خیال رکھتے تھے۔ اپنے سے سینئر کی بیحد عزت کرتے تھے۔ کبھی ہونٹوں پر کبھی زبان پر گلہ شکوہ نہیں لائے اور ہمیشہ ہر حکم کی تعمیل کو اپنا فرض جانا۔ وقفِ زندگی کی وہ ایک لاجواب مثال تھے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بے لوث ہو کے انہوں نے اپنی زندگی میں خدمت کی ہے۔

وہ ہمیشہ خاموشی سے نہ صرف خود مستحقین کی مدد کیا کرتے تھے بلکہ بہت سے متمول افرادِ جماعت کو بھی اپنے غریب اور مستحق بھائیوں کی مدد کی طرف مستقل طور پر توجہ دلاتے رہتے تھے۔ ان کی ایک نمایاں خوبی اکرام ضیف تھی۔ خاص طور پر جلسے کے دنوں میں ان کی یہ صفت اپنے عروج پر ہوتی تھی۔ خصوصیت کے ساتھ خلافت کے ساتھ وفا کا تعلق تھا۔ بڑے مخلص تھے اور گفتگو کا انداز بڑا شفقت والا اور نرم تھا اور کئی دفعہ اگر اگلی شفٹ پہ آنے والے کسی کارکن کو دیر بھی ہو جاتی تو شکایت نہ کرتے تھے بلکہ اللہ کا شکر ادا کرتے تھے کہ خلیفہ وقت کی ڈیوٹی میں کچھ مزید وقت مجھے مل گیا اور ہر وقت ڈیوٹی کے لیے کمربستہ رہتے تھے۔ بیمار ہوتے تب بھی ڈیوٹی سے جلد فارغ ہونے کی خواہش نہ کرتے بلکہ آخری شدید بیماری میں بھی وقت ڈیوٹی کی فکر تھی۔ ڈیوٹی کے لئے آنے والے خدام کو ہمیشہ توجہ دلاتے کہ تم لوگوں نے محبت کرتے ہوئے خلیفہ وقت کی ڈیوٹی سرانجام دینی ہے اور اس بات کو اپنی تمام دوسری چیزوں پر مقدم کرنا ہے۔



سید طٰہٰ نور صاحب مربی سلسلہ انڈونیشیا کہتے ہیں ایک دفعہ مسجد میں کپڑے دھونے کا انتظام نہیں تھا تو ہم نے انہیں کہا کہ ہمیں دیں ہم باہر سے دھلوا لیں لیکن آپ نے اور آپ کے جو دوسرے ساتھی تھے انہوں نے کہا کہ ہم تو نوکر لوگ ہیں ہمارا یہ مقام نہیں ہے کہ دوسرے لوگ ہمارے کپڑے دھوئیں اور بڑی کوشش کے بعد بھی انہوں نے اپنے کپڑے نہیں دیے۔ حضور انور نے فرمایا کہ اب یہ بظاہر چھوٹی چھوٹی معمولی باتیں ہیں لیکن ایک وقفِ زندگی کی اصولی روح کا ان باتوں سے پتا چلتا ہے کہ ایک واقفِ زندگی کو کس طرح کا ہونا چاہیے اور نوجوانوں کو بھی اس سے سبق ملتا ہے۔

ایک نئے کارکن نے ناصر سعید صاحب سے پوچھا کہ آپ نے اڑتالیس سال تک، تین خلافتوں کے ساتھ ڈیوٹی کی ہے۔ مجھے کوئی نصیحت کریں تا کہ میں بھی آپ کی طرح ڈیوٹی کر سکوں تو انہوں نے کہا کہ یہاں اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھنا اور زبان بند رکھنا اور اس کے ساتھ دعا کرتے رہنا۔ یہ نصیحت جو ہے اس پر عمل کرنا عمومی طور پر ہر واقفِ زندگی کے لیے ضروری ہے، بلکہ ہر کارکن اور جماعتی خدمت گزار کے لیے ضروری ہے، ہر عہدیدار کے لیے ضروری ہے۔ یہ بڑی پتے کی بات ہے۔

حضور انور نے فرمایا کہ مَیں ان کو اس وقت سے جانتا ہوں جب یہ جماعت کی خدمت کے لیے ربوہ میں آئے تھے۔ یقیناً سب لکھنے والوں نے جو بھی لکھا ہے بڑی حقیقت ہے۔ بڑے بے لوث ہو کر خدمت کرنے والے تھے اور کامل اطاعت کرنے والے تھے۔ کچھ عرصے سے یہ دل کے مریض تھے۔ انجیو پلاسٹی بھی ہوئی ہوئی تھی۔ چند دن پہلے بیمار ہو کر ہسپتال میں داخل ہوئے۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ شدید دل کا حملہ ہوا ہے۔ پھر بعد میں کہا کہ وائرس کا بھی حملہ ہو گیا ہے۔ لیکن بہرحال چند دن ہسپتال میں زیرِ علاج رہے اور وہیں اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔

بے شمار لکھنے والوں نے ان کی خوبیاں لکھی ہیں اور جو بھی لکھی ہیں واقعی حق لکھا ہے۔ اپنی خدمت کو، اپنے عہد کو وفا سے نبھاتے ہوئے یہ اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔ ہر عہد جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا اس کو پورا کیا۔ ان کی زندگی میں ہمیں یہی نظر آتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ ان لوگوں میں شمار ہوتے ہیں جن کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ شہید ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور وہ تمام احمدی جن کی اس بیماری کی وجہ سے وفات ہوئی ہے اللہ تعالیٰ ان سے بھی رحم اور مغفرت کا سلوک فرمائے۔

مکرم غلام مصطفیٰ صاحب

مکرم غلام مصطفیٰ صاحب آف لندن (حال ٹلفورڈ) 25/اپریل کو 69 سال کی عمر میں بقضائے الٰہی وفات پاگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ یکم مئی میں آپ کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرمایا کہ مکرم غلام مصطفیٰ صاحب دفتر پرائیویٹ سیکرٹری یوکے میں رضا کار کارکن تھے۔ 1983ء میں بیعت کی اور 1986ء میں لندن آکر مسجد فضل میں ٹھہرے اور آتے ہی وقف کی درخواست کی۔ چونکہ تعلیم ان کی بہت معمولی تھی اس وجہ سے شاید وقف تو منظور نہیں ہوا لیکن ایک واقفِ زندگی کی طرح پہلے تو یہ کچن میں اور پھر دفتر میں کام کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور ان کا کاروبار بھی وسیع کر دیا۔ خالی ہاتھ آئے تھے لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت ڈالی کہ کئی پراپرٹیز خریدنے کی توفیق ملی۔ اور جس کو انہوں نے غریبوں پر بھی خرچ کیا، جماعت پر بھی خرچ کیا۔ لیکن یہ وقفِ زندگی کی حیثیت سے اس طرح رہے کہ جب بھی دفتر سے کاروباری سلسلے میں اگر لمبی چھٹی کرنی ہوتی اور کچھ عرصہ دفتر نہ آنا ہوتا تھا تو باقاعدہ خلیفہ وقت سے رخصت لیتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ وقف تو نہیں لیکن میں اپنے آپ کو واقف زندگی سمجھتا ہوں۔ بہرحال بڑی وفا کے ساتھ انہوں نے اپنے سے جو یہ ایک عہد کیا تھا اور اللہ سے جو وقف زندگی کا عہد کیا تھا اس کو انہوں نے پورا کیا، چاہے باقاعدہ وقف میں تھے یا نہیں تھے۔



پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لنگر کے برتن دھونے کا کام مسجد فضل کے کچن میں کرتے رہے۔ پھر حفاظتِ خاص میں بھی کچھ عرصہ ڈیوٹیاں دیتے رہے۔ 1993ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے پی ایس آفس میں انہیں ڈیوٹی دی اور اس وقت سے لے کر اب تک بڑی خوش اسلوبی سے یہ اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتے رہے۔ مرحوم موصی تھے۔ ان کے پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ دو بیٹیاں اور ایک بیٹا شامل ہیں۔

ان کی اہلیہ محمودہ مصطفیٰ صاحبہ لکھتی ہیں کہ میرا اور مصطفیٰ صاحب کا تقریباً 34 سال ساتھ رہا ہے اور مَیں ان سالوں کی گواہی دے سکتی ہوں کہ ان کا ہر قدم خدا تعالیٰ کے لیے ہوتا تھا۔ بے شمار اوصاف کے مالک تھے۔ ایک مخلص شوہر، باپ، بھائی اور دوست تھے۔ اپنے رشتوں کو نبھانے والے، بہت دُور اندیش، ہر ایک کے کام آنے والے، بے لوث خدمت کرنے والے، بہادر اور نڈر انسان تھے۔ خلافت پر مر مٹنے والے وجود تھے۔ کہتے تھے کہ جب میں نے پاکستان میں بیعت کی تو اپنے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ میں نے ہمیشہ خلافت کے نزدیک رہنا ہے۔ اُس وقت ان کے پاس کوئی وسائل نہیں تھے لیکن انہوں نے خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ وعدہ پورا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے سامان بھی مہیا فرما دیے۔ مالی قربانی کا بہت شوق تھا۔ کہتی ہیں کہ میرا بیٹا پیدا ہوا تو میں نے ان سے کہا کہ میں نے سوچا ہے کہ میں اپنا آدھا زیور جماعت کو دیدوں تو فوراً کہا کہ آدھا کیوں دیتی ہو پورا دو۔

کہتی ہیں افریقہ کے لیے مساجد بنانے کی تحریک ہوئی تو اس وقت اپنے پاس گھر بھی نہیں تھا لیکن جو بھی پیسے جمع ہوتے تھے وہ مساجد کے چندے میں دے دیتے تھے اور اپنی ذات پر وہ کنجوسی کی حد تک خرچ کرتے تھے لیکن دوسروں پر خرچ کرنے سے پہلے کبھی سوچتے بھی نہیں تھے۔ ہمیشہ جہاں دین کو فوقیت دی وہاں ایک سچے مومن کی طرح دین اور دنیا دونوں کمائی۔ ہر کام میں مجھے ساتھ رکھا تا کہ مجھے ہر چیز کا پتا ہو اور ہمیشہ مجھ پر پورا اعتماد کیا۔ اپنی فیملی میں اکیلے احمدی تھے۔ جب انہوں نے بیعت کی تو اپنے ساتھ یہ وعدہ کیا کہ اپنے والد کی وراثت سے کچھ نہیں لینا اور دعا کی کہ اے اللہ! اگر تیرا مسیح سچا ہے اور مَیں نے سچا سمجھ کے بیعت کی ہے تو مجھے اپنی جناب سے دینا اور کسی کا محتاج نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ خواہش پوری فرمائی اور ثابت کر دیا کہ تم نے جو بیعت کا قدم اٹھایا ہے وہ حقیقتاً سچ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بڑے مختلف طریقوں سے ان کی مدد بھی کی اور اپنے گاؤں میں پھر انہوں نے بڑی مسجد بھی بنوائی کہ کبھی نہ کبھی تو یہ لوگ احمدی ہوں گے اور مختلف طریقوں سے اپنے رشتے داروں کی بھی مدد کرتے رہے۔ ان کو اپنی دعاؤں کی قبولیت پر بھی بڑا کامل یقین تھا۔ اور اس کے بیشمار واقعات اہلیہ نے آگے لکھے ہیں۔

ان کے بچے لکھتے ہیں کہ ہمیشہ کہتے تھے کہ گھر لینا ہے تو خلافت کے سائے میں لینا ہے۔ نہایت اخلاص کے ساتھ ہر ایک کی مدد کرتے تھے۔ اپنی بیماری کے دنوں سے قبل آخری نصیحت یہی کی کہ ہمیشہ جماعت کے ساتھ جڑے رہنا، نمازیں پڑھنا اور قرآن کی تلاوت باقاعدگی سے کرتے رہنا تو اللہ ہمیشہ ساتھ دے گا۔ بیٹیوں کو کبھی بوجھ نہیں سمجھا بلکہ اکثر کہتے تھے کہ جس کی بیٹی ہو گئی وہ تر گیا اور اس کے کام کے دن ختم ہو گئے اور آرام کے دن شروع ہو گئے۔ اپنے بیٹے اور بیٹیوں کی برابر تعلیم و تربیت کا فرض بخوبی نبھایا۔ اس میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن اولاد سے محبت کے باوجود انہوں نے کبھی حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پیچھے نہیں چھوڑا۔ عید ہو یا بیٹی کی شادی ہو یا کوئی اَور کام ہو انہوں نے کبھی نماز کو نہیں چھوڑا۔ خدا پر توکّل تھا۔ وہ جانتے تھے کوئی کام پیچھے نہیں رہے گا لیکن اگر فکر تھی تو اس بات کی تھی کہ عبادت کی کمی کی وجہ سے خدا کی کوئی ناراضگی نہ آ جائے۔

اپنے بیٹے کو ہمیشہ یہ نصیحت کی کہ ہمارا سب کچھ اللہ کی جماعت کی امانت ہے اس لیے ہمارا کام ہے کہ ہم اس کی حفاظت کریں اور اس امانت کو اس نیت سے بڑھائیں کہ یہ جماعت کے کام آ سکے۔ ہمیشہ تلقین کرتے کہ چندے کی ادائیگی میں کبھی تاخیر نہیں کرنی اور خود مہینے کے پہلے دن ہی اپنا چندہ ادا کر دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ مت سوچنا کہ جماعت کو ہمارے چندے کی ضرورت ہے بلکہ چندہ دینے سے ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جذب کر سکتے ہیں۔ ان کے بیٹے کہتے ہیں کہ علالت کے آخری ایام میں جب وینٹی لیٹر لگایا گیا تو قومہ میں جانے سے پہلے آخری الفاظ جو انہوں نے کہے وہ اپنے چندہ کی ادائیگی کے بارے میں تھے۔ متعدد مرتبہ انہیں عمرہ کرنے کی توفیق ملی اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو 2010ء میں حج کی سعادت بھی دی۔ قادیان سے بھی محبت تھی۔ اکثر وہاں جاتے تھے۔ مرکز میں مکان کی خواہش تھی پھر وہاں مکان بنوایا اور پھر وہ جماعت کو پیش کر دیا۔

اللہ تعالیٰ تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے۔ ان سب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے عطا فرمائے۔ آمین